اکوڑہ خٹک
الحق
نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
مدیر
سمیع الحق

بلند ہمّت
جَوانوں کی پسند
اُجَالا ڈینِم
اور
صَدف شرٹِنگ
مضبوط و دیرپا اُجالا واش اینڈ ویئر ڈینم
خوشنما رنگوں میں لیجئے۔
صدف شرٹنگ بہت سے پکے رنگوں میں
دستیاب ہے۔
زندہ دل جوانوں کا ذوقِ زیبائش
آج جنکے دم سے رونق اور چہل پہل ہے۔
MADE OF
Toray
TETORON
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
MFTM-5-77
Asiatic

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر رہائش ۔ ۲

فون نمبر دار العلوم ۔ ۴

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں



بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۲۰/- روپے ۔ فی پرچہ دو روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک سے ۳ پونڈ ، ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ
مئی ۷۸ ۱۹ء

جلد نمبر : ۱۳
شمارہ نمبر : ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز

# تذکارِ اسلاف

مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہمہ گیر انقلابی پروگرام اور سید احمد شہیدؒ کے متاعِ بے بہا کو لیکر علماء دیوبند کا قافلہ ایک صدی سے زائد مدت کی مسافت طے کر چکا ہے، اس رواں دواں قافلے کا مقصود مطلوب خدا کے آخری نظامِ حیات کو رائج کرنے کے علاوہ ہر باطل انقلاب سے برسرِ پیکار ہو کر اسلام کی ابدی صداقتوں کو ہر شعبۂ حیات میں دائم و قائم رکھنا بھی ہے۔ برصغیر سے ایک اجنبی کافر طاقت کا اخراج مقصود نہیں بلکہ حصولِ مقصود کا ایک ذریعہ تھا۔ جہادِ آزادی و حریت کے ساتھ ساتھ ان کی خدمات اور اہداف و مقاصد کا سلسلہ اتنا وسیع اور دراز ہے کہ جس کا استقصاء نہیں کیا جا سکتا۔ جہاد و سیاست کے میدان میں یہ سرخیل رہے۔ اسلامی معاشرت تمدن کی نشو و نما اور حفظ و بقاء کے کام میں ایک ایک سنت کیلئے کبھی کبھار پوری زندگی قربان کر دی گئی، اعداء اسلام اور فرق باطلہ کے استیصال اور تعاقب میں یہ لوگ آخری سرحدوں سے دشمن کو نکال کر دم لیتے تھے برصغیر میں عیسائیت کی اولین یلغار کے سامنے فولادی دیوار بن گئے۔ تجدد، ماڈرن ازم اور نیچریت کا فتنہ اٹھا تو یہی لوگ تھے جو میدان میں کود گئے، پھر جب ایک اجنبی کافر حکمران طاقت انگریز کی تہذیب و تمدن و معاشرت سے مصالحت کرانے والے "مصلحین" اور نام نہاد "ہمدردانِ ملت" پوری ہلاکت آفرینیوں سے میدان میں آئے، تو اس کے خلاف ملائیت اور دقیانوسیت کی طنز و تشنیع اور ہر طرح کے مذاق کو سہتے ہوئے یہی جماعت تھی جو پوری جرأت سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سینہ سپر ہو گئی۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کو "کالا انگریز" بن جانے سے روک دیا ورنہ مصلحین کی صلح جوئیوں کے نتیجہ میں آج لارڈ میکالے کی حسرت پوری ہو چکی تھی۔ اور برصغیر کا ہر باسی دل و دماغ سے انگریز اور عیسائی ہوتا۔ صرف شکل و شباہت ہندوستانی رہ گئی ہوتی، آریہ سماج اور ہندوئیت کا بت توڑنے کیلئے یہی لوگ قریہ قریہ بستی بستی مناظروں اور مباحثوں کی شکل میں پھیل گئے۔ جعلی استعماری نبوت "قادیانیت" کی متعفن لاش کو ٹھکانے لگانے میں اس طبقہ کا تقریباً صدی بھر جہد مسلسل شامل ہے۔ مذہب بیزار اور خدا بیزار مادی تعلیم کا طوفان اٹھا تو اس جماعت نے بے سروسامانی اور بے بسی کے باوجود اسلامی علوم و فنون اور دینی تعلیم کیلئے ایک پورا متوازی نظام قائم کر دیا۔ اور نہ صرف ملک بلکہ بیرون ملک بھی قرآن و سنت کی نشر گاہیں اور انسانیت کی تربیت گاہیں قائم کیں، اسلام کی تشریح و ترجمانی اور علوم اسلامیہ کی ترویج و فروغ میں قرطاس و قلم کے ذریعہ جو عظیم سرمایہ فراہم کیا گیا اسکی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ مرتب و مدون نہ

ہونے کی وجہ سے دنیا کو نہ ہو سکا، ورنہ اگر علماء دیوبند کی تصانیف اور کتابوں کا کیٹیلاگ مرتب ہو جاتے تو بلا مبالغہ اور محتاط جائزے کی بنا پر "تصانیف علماء دیوبند" کی فہرست اور جمالی تعارف سے بھی کشف الظنون للچلپی اور ابن ندیم کی الفہرست سے بڑھ کر ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے، افسوس کہ اس کام کی طرف بہت پہلے توجہ دی جانی چاہئے تھی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ فضلاء، زعماء دیوبند اور دیوبند کے باواسطہ یا بلاواسطہ علماء کی چھوٹی بڑی تصانیف دو نو لفات شروح و تراجم زہین کا سلسلہ پاک و ہند و بنگلہ دیش کے علاوہ افغانستان، مشرقِ بعید، مشرقِ وسطیٰ تک دراز ہے، اگی ایک مکمل اور مفصل فہرست ضروری کوائف (مصنف، کتاب، موضوع، زبان، صفحات، سائز اور ناشر وغیرہ) کے ساتھ مدون کرانا وقت کا ایک اہم فریضہ ہے جس سے نہ صرف اپنوں بلکہ یورپ کے مستشرقین کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی۔ کہ اس جماعت نے بے سروسامانی اور تنظیم کے بغیر علمی اور اسلامی لٹریچر میں کتنا عظیم اضافہ کیا۔ ناچیز کا ایک محتاط اندازہ یہ ہے کہ اس صدی سوا صدی میں دنیا بھر میں علماء دیوبند کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جائے گی، اس عظیم کام کی تدوین و ترتیب اور احاطہ و استقصاء کیلئے بہت بڑے وسائل، رجال کار اور ایک عظیم اکیڈمی کی ضرورت ہے، اور معلومات کی فراہمی میں پورے دیوبندی مکتبِ فکر بلکہ علمی ذوق رکھنے والے ہر علم دوست انسان کے تعاون کی بھی کہ وہ اپنی حد تک چھوٹی بڑی ایسی تمام کتابوں کا سروے کرکے اس ادارہ کو صحیح معلومات فراہم کریں، ایسے دائرۃ المعارف، اور دیوبندی کتب کے انسائیکلوپیڈیا کے سامنے آجانے سے دیوبندی مکتبِ فکر کے طلباء اور اہل علم کو اپنے عظیم اسلاف کے علمی و فکری کام سے تعارف بھی ہو جائے گا۔ اور احساس کہتری کے تمام پردے بھی ہٹ جائیں گے۔ کاش! ایک پورا ادارہ اس کام میں لگ جاتا لیکن ادارہ نہ ہو تو کیا افراد کی ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں ہماری تاریخ ایسے افراد سے بھی تو بھری ہوئی ہے جنہوں نے ایک ذات سے پوری اکیڈمیوں کا کام کیا۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو اور طلب و جستجوئے صادق اور جوشِ عمل کا سرمایہ بھی ساتھ ہو۔ گو احقر ان تمام معنوی و ظاہری وسائل سے یکسر عاری ہے اور بے مائگی علم و عمل کے ساتھ نہایت کثیر الاشغال بھی مگر توکلاً علی اللہ تصانیف علماء دیوبند کی ایک جامع فہرست کی جمع و تدوین کا کام ابتدائی طور پر شروع کرا دیا گیا ہے۔ اس پہلے مرحلہ میں پورے طبقہ اور جماعت کا فریضہ اپنے طور پر معلومات کی فراہمی کا ہے۔ بالخصوص بھارت بنگلہ دیش افغانستان عالمِ عرب، افریقہ اور مشرقِ بعید میں پھیلے ہوئے علماء و فضلاء دیوبند اور ان کے کونا گوں نوع و علاقائی زبانوں میں تصانیف کے بارہ میں معلومات کو سمیٹنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں اور بھرپور تعاون کا محتاج ہے۔

بہرحال یہ تو ویسے ایک ضمنی بات تھی جو برسبیل تذکرہ آگئی، یہی حال علماء دیوبند کی نگرانی ادارت اور سرپرستی یا اُن کے قلم سے جاری ہونے والے ماہنامہ سہ ماہی، پندرہ روزہ، ہفت روزہ، روزنامہ اخبارات و جرائد اور مجلات کا ہے۔ جو لوگ علماء دیوبند کو تحریر و صحافت کے نام سے ناآشنا قرار دیتے ہیں، اگر اس صدی میں علماء

دیوبند کی صحافتی خدمات کی تاریخ اور دیوبندی علماء و اہلِ قلم کے مجلّات و رسائل کا ایک جائزہ مرتب کیا جائے تو یہ بات بہت لوگوں کیلئے موجب حیرت ہوگی کہ یہ فہرست پانچ چھ سو سے کم نہ ہوگی۔ یہ تو کام کے کچھ رُخ تھے، رہ گئے رجال کار اور شخصیات تو ان میں سے کتنے ہیں جن کی زندگی، خدمات اور آثار کیلئے کئی کئی اکیڈمیاں ناکافی ہیں، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہندؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور بیشمار اعیان و اساطین ہیں جن کے علوم و معارف اور خدمات سے موجودہ دور کی نئی نسل کو فکری و عملی میدانوں میں رہنمائی مل سکتی ہے۔ بانی دیوبند حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے علوم و معارف اور اسلام کی ترجمانی اور دفاع کے لحاظ سے ایک نئے علم کلام کے بانی سمجھے جاتے ہیں، ایک عظیم عالم کی زبان میں انہوں نے آنے والے کئی سو سال تک اسلام کو دشمنانِ اسلام کے علمی و فکری حملوں سے محفوظ کر دیا، جہاد کے میدان میں کمانڈر انچیف کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں احیاء سنت کے لئے وہ عہد صحابہؓ جیسی مثالیں پیش کرتے ہیں، سادگی فنائیت عظمت اخلاق میں وہ خیر القرون جیسی معیاری زندگی رکھتے ہیں مگر ہمارے مدارس عربیہ میں کتنے علماء اساتذہ اور طلبہ ہیں؟ جنہیں اپنے اس حجۃ الاسلامؒ کے علوم و احوال کا علم ہے، کتنے طلبہ ہیں جنہیں ایک ہزار سے زائد کتابوں کے مصنّف حکیم الامۃ کی دو ایک کتابوں کے مطالعہ کا بھی اتفاق نہیں ہوا کتنے اخلاص و حمیّت سے سرشار فعّال اور پُرجوش کارکن ہیں جنہیں شیخ الہندؒ کی ہمہ گیر بین الاقوامی تحریک کا کوئی ایک گوشہ بھی معلوم نہیں۔

دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر حقیقی کام یہی ہے کہ دیوبند کے کام سے اپنوں اور پرایوں کو آگاہ کیا جائے، بھارت غیروں کا ملک ہے وہاں مولانا انور شاہ کشمیریؒ پر سیمینار ہو رہے ہیں۔ وہاں کے ریڈیو اور ذرائع ابلاغ سے مستقل پروگرام اور فیچر نشر ہوتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں اس محاذ پر جو جمود اور سکوت مرگ ہے۔ اس جرم کے شکوے کی سزا بھی مرگ مفاجات سے کم نہیں، مگر کیا اپنے طور پر ہم کچھ نہیں کر سکتے؟ مدارس کے طلباء کیلئے اس موضوع پر ایک اضافی پرچہ شامل کرانا چاہیئے اپنے اکابرؒ کے علوم پر مقالات مرتب کروا سکتے ہیں۔ توسیعی لیکچر دئے جا سکتے ہیں مدارس اور کالجوں میں ہمارے طلبہ کی تنظیمیں معلوماتی تقریبات منعقد کر سکتی ہیں اپنے وسائل اور رسوخ کے دائرہ میں اخبارات و جرائد میں مضامین لکھ سکتے ہیں۔ دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ افراد تنظیمیں اور جماعتیں ملک بھر میں تعارفی سیمینار منعقد کرا سکتے ہیں، جسکی ایک مثال فیصل آباد میں ایسے ایک کامیاب اجتماع کی شکل میں سامنے آچکی ہے۔ اور حکیم الامت تھانویؒ کی یاد میں لاہور میں ایک تقریب کا اعلان ہو چکا ہے۔ اسی طرح عالم عرب کو اکابر علماء دیوبند کے علوم و معارف سے روشناس کرانے کیلئے بڑی سطح پر کام کی ضرورت ہے یہ کام عربی رسائل اور مجلّات کے ذریعہ بھی ہو سکتا تھا، مگر بدقسمتی سے پورے پاکستان سے ایک بھی عربی پرچہ نہیں نکل رہا جو ہم سب کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ اب ایک طویل غفلت کے بعد مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے الداعی کے نام سے ایک پندرہ روزہ جریدہ شائع ہونے لگ گیا ہے جو بساغنیمت ہے۔ بہرحال یہ اور اسطرح کے بیشمار کام کے شعبے اور زاویے ہیں جن پر فکر و عمل کی صلاحیتیں مرکوز کرنی چاہئیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

# حضورِ اقدسؐ کا اسوۂ حسنہ

یہ تقریر ڈھاکہ (بنگلہ دیش) کے اہم تجارتی مرکز بیت المکرم کی عظیم الشان جامع مسجد میں ہزاروں افراد کے مجمع میں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ کو بعد از نماز مغرب سیرت کے ایک اجتماع میں ارشاد فرمائی گئی۔ "ادارہ"

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم عزیزٌ علیہ ما عنتّم حریصٌ علیکم بالمومنین رؤفٌ رحیم، فان تولّوا فقل حسبی اللّٰہ لا الٰہ الّا ھو علیہ توکلت وھو ربّ العرش العظیم۔

محترم بزرگو! اللہ جل مجدہٗ کا فضل وکرم ہے اور دوستوں کی شفقت وعنایت کہ مجھ جیسے ناچیز کو یہاں آنے کی دعوت دی اور دیوبند کے زمانہ سے یہاں کے بہت سے احباب اور دوستوں سے تعلق خاطر رہا جن کے ساتھ دیوبند میں بہت وقت گذرا اور ان دوستوں کی شفقت کی بدولت یہاں آکر سب سے ملنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

محترم بزرگو! یہ سیرت کا اجلاس ہے اور مقصد یہ ہے کہ حضورِ اقدسؐ کی بارگاہ میں کچھ محبت اور عقیدت کے جذبات پیش کئے جائیں۔ ؎

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد

اسوۂ حسنہ ہی اللہ تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ ایک شاعر فرماتے ہیں کہ ایک چیونٹی کو خانہ کعبہ پہنچنے کی ہوس ہوئی تو چیونٹی کی کیا حیثیت ہے، وہ کہاں ان جنگلوں پہاڑوں اور دریاؤں کو طے کرکے خانہ کعبہ پہنچ سکتی تھی، کسی نے کہا اگر تجھے واقعی شوق ہے تو خانہ کعبہ کے کبوتر جو کبھی کبھی سیر کیلئے دور نکل جاتے ہیں۔ تو جب وہ کبوتر یہاں آجائیں تو ان کے قدموں میں چمٹ جاؤ وہ کبوتر اڑ کر جائے گا تو تجھے بھی پہنچا دے گا۔

توہم سب کو بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں رسائی کی تمنا ہے۔ لیکن ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم ایسے دربارِ عالی میں پہنچ سکیں۔ تو اسکی صورت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ہم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو تھامیں ان کے قدموں کو پکڑیں عقیدت، محبت اور اطاعت کا رشتہ ان سے قائم کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے دربار میں حاضر ہیں تو جب ان کا دامن تھامیں گے تو اللہ کے دربار تک بھی رسائی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ــــ اگر اللہ سے محبت ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ رب العزت جو ہمارے خالق و مالک اور کارساز ہیں، ہر راحت و مصیبت پہنچانے والا اللہ ہے۔ تو کونسا بندہ نہ چاہے گا کہ میرا عشق و محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ ہو۔ تو فرمایا کہ ان سے کہہ دیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ سے تمہاری محبت ہو جائے ــــ فاتبعونی ــــ تو میرے نقشِ قدم پر چلو ــــ تو حضورؐ کی پیروی پر چلنا ان کی سیرت کو اختیار کرنا۔ یہ ہے ہمارا طریقہ وصول الی اللہ کا، اور اللہ کا کرم دیکھئے کہ فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں ــــ یحببکم اللّٰہ ــــ اللہ اکبر۔ ہمارے لئے تو عشاق کا درجہ میں شمار ہو جانا بھی بڑی سعادت کی بات ہے۔ مگر یہ کرم دیکھئے کہ فرمایا کہ تم اس کے نتیجہ میں اللہ کے محبوب بن جاؤ گے ــــ محبیّت کی بجائے محبوبیّت کا مقام مل گیا ــــ اور محبوب کی ہر اچھی اور بری بات پر بھی محبوب ہوتی ہے۔ اگر والدین کو چھوٹے بچے سے محبت ہوتی ہے۔ تو والد اور والدہ اسے گود میں لے لیتے ہیں۔ وہ بچہ ماں کی گود میں پیشاب بھی کرتا ہے، قے بھی، لیکن والدین کبھی اس سے نفرت نہیں کرتے کیونکہ اس کے ساتھ محبت ہے۔ تو اسے پھینکتے نہیں۔

**حضورؐ اور حقیقی مساوات** حضرت اسامۃ رضی اللہ عنہ، حضرت زیدؓ کا بیٹا، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ فلمّا قضیٰ زیدٌ منھا وطرا ــــ انہی زیدؓ کے بیٹے اسامۃ کو حضورؐ نے اپنی گود میں اٹھالیا، ایک جانب ان کو اور دوسری جانب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو ایک تو سیّد الشباب اہل الجنۃ کے مصداق تھے۔ جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا بیٹا۔ وہ فاطمہ جن کے بارہ میں فرمایا: فاطمہ بضعۃٌ منی ــــ فاطمہ میرے دل کا میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اور دوسری طرف ایک غلام زادے حضرت اسامۃ کو، اور ساتھ یہ فرماتے رہے: اللّٰھم انی احبّھما فاحبّھما واحب من یحبّھما ــــ "اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، پس تو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور ان سے بھی محبت رکھ جو ان دونوں کے ساتھ محبت رکھیں۔"

اللہ ربی ــــ آج بھی دنیا مساوات مساوات کا نعرہ بلند کرتی ہے۔ ؏

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

**حضرت عمر اور اسوۂ حسنہ کی پیروی** عمل کے میدان میں دنیا صفر ہے۔ حضور اقدسؐ نے اپنی سیرت اور اپنے کردار سے عمل سے بتلایا کہ مساوات ایسی ہوتی ہے۔ مساوات کا حال یہ ہے کہ اس امت پہ سیدنا صدیقؓ اکبر کے بعد سیدنا عمرؓ کے احسانات ہیں ان کے عہد میں مصر و ایران فتح ہوا، قیصر و کسریٰ پر قبضہ ہوا، لاکھوں مربع میل زمین ان کے صدقے امت کے قبضہ میں آج بھی ہے، مگر جس وقت آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کو بلا کر فرمایا کہ اس تمام عرصۂ حکومت میں جتنی تنخواہ میں نے لی اسے میرے بعد میرے فلاں مال سے بیت المال کو واپس کر دینا۔ اور تنخواہ کیا تھی آٹھ دس آنے یومیہ جبکہ دنیا کا سونا چاندی مدینہ کی گلیوں میں لٹایا جا رہا تھا۔ کسریٰ اور قیصر کے تاج کے ساتھ لوگ گیند کھیل رہے تھے اور مذاق اڑا رہے تھے کہ ایسے بھی بے وقوف دنیا میں ہیں کہ ایک ٹوپی پہ اتنی دولت خرچ کی ہے۔ ایسے زمانہ میں حضرت علی وغیرہ حضرات نے چاہا کہ حضرت عمرؓ سے عرض کر دیں کہ ملک خوشحال ہے۔ آپ اپنے لئے تنخواہ بھی کچھ بڑھا دیں۔ مگر کسی کو خدمت میں کہنے کی جرأت نہ ہو سکی، تو حضرت حفصہ ام المومنین (جو آپ کی صاحبزادی تھیں) کے پاس حاضر ہوئے تو حضورؐ کی بیوی کی حیثیت سے اس کے ذریعہ حضرت عمر کو کہلوانا چاہا کہ آپ کے والد ماجد کی خدمت میں یہ گذارش پہنچا دیں کہ بیت المال میں گنجائش ہے اور آپ کی حالت یہ ہے کہ کرتے پر پیوند ہیں سوکھی روٹی کھاتے ہیں۔ ایک دفعہ جمعہ کی نماز میں قدرے تاخیر سے پہنچے تو معذرت کی کہ ایک ہی جوڑا تھا، دھویا تھا، سوکھنے میں دیر ہوئی تو دیر سے آیا۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؓ خطبہ دے رہے تھے، تو میں نے دیکھا کہ بارہ ٹکڑے مختلف رنگوں کے کپڑوں کو پیوند کی شکل میں لگے ہوئے ہیں ـــــ تو حضرت حفصہؓ نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ اگر آپ کی تنخواہ کچھ بڑھا دی جائے تو کیا حرج ہے، غصہ میں آگئے اور فرمایا کہ کس نے تجھے یہ بات کہی، فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو نام نہ بتلانے کا وعدہ کیا ہے۔ ان میں حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ جیسے اکابر صحابہؓ تھے انہیں ڈر تھا کہ امیر المومنینؓ اسے ہرگز گوارا نہ کر سکیں گے اور ہم پر ناراض ہوں گے۔

حالت یہ تھی کہ دفتر میں سرکاری کام رات گئے تک کرتے رہتے، کوئی مہمان آیا تو چراغ بجھا دیا اور اندھیرے میں بات چیت ہوتی رہی مہمان جانے لگا تو چراغ پھر سے جلا دیا، اس نے پوچھا کہ میں آیا تو چراغ بجھا دیا، اور اب جا رہا ہوں تو جلا دیا۔ فرمایا کہ یہ تیل بیت المال کا ہے۔ اور میں سرکاری کام میں مشغول ہوں۔ تم میرے ذاتی دوست ہو اور کسی ذاتی معاملہ میں آئے ہو۔ تو اتنی دیر میں جو تیل خرچ ہوگا۔ تو قیامت کے دن مجھ سے اس کا محاسبہ کیا جائے گا۔ کہ اتنا تیل کہاں اور کیوں خرچ کر دیا۔ تو حضرت عمرؓ نے آپ کے سامنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اسوۂ حسنہ مستحضر کرنا چاہا جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا آپ تو رسول اللہؐ

بیوی تھیں تمہارے ہاں حضورؐ کا بچھونا کیسا تھا۔؟ اور حضور اقدسؐ کی حالت تو یہ تھی کہ ایک دفعہ گھر میں تشریف لائے تو ایک کپڑا آرائشی قسم کا دیوار پہ لٹکا ہوا پایا تو واپس چلے گئے۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں اور جاکر منت کرنے لگیں کہ کیوں واپس ہوئے، فرمایا : مالی وللدنیا ——— مجھے دنیا کے زیب و زینت سے کیا سروکار؟ حضرت عائشہؓ نے اُسے پھاڑ دیا۔

**شانِ رسالتؐ** دو جہانوں کے سردار جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ——— وعلمك مالم تکن تعلم ——— وکان فضل اللہ علیك عظیما ———۔ حضرت آدمؑ کے مقدّر میں تھا کہ وہ زمین میں بس جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کا اجراء اور خلافت ربّانی ان کے مقدّر میں تھی، تو جیسے کہ طلبہ کو پہلے زرعی کالج میں تربیت دیتے ہیں، تو اللہ نے حضرت آدم و حوّا کو پہلے جنّت میں بسایا، وہاں تربیت دی، دنیا میں آنا قسمت میں تھا مگر عالم اسباب میں انہیں ایک شجرہ سے روک دیا۔ انہوں نے جیسا کہ تقدیر میں تھا، اُسے کھالیا کہ دنیا میں آنے کا سبب بن جائے ——— انی جاعلك فی الارض خلیفہ ——— تو بعض کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ جب حضرت آدم زمین میں اترے تو دعا کی یا اللہ بحرمت و وسیلہ حضرۃ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پہ رحم فرما اور معاف کردے اور جیسا کہ قرآن میں ہے کہ وہ رونے لگے۔ ربّنا ظلمنا انفسنا فان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین۔ (الآیۃ)

اور حضور اقدسؐ کی شان تو یہ تھی کہ جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وما ارسلناك الّا رحمة للعٰلمین۔ ہم نے تجھے پوری کائنات کے لئے رحمۃ بنا کر بھیجا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے پوچھا کہ ابھی تو میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ناسوت میں پیدا نہیں کیا۔ عالم ملکوت و عالم لاہوت میں اگرچہ سب سے پہلے آپ ہی تھے۔ جیسا کہ کنتُ نبیّاً و آدم بین الماء والطین سے ثابت ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے ——— اوّل ما خلق اللہ روحی۔ سب سے پہلے اللہ نے میری روح کو پیدا فرمایا ——— تو تجھے ان کا نام کیسے معلوم ہوا۔؟ فرمایا جب میرے جسد میں روح ڈالی گئی اور میری نظر عرش پہ پڑی تو اس کے ستونوں پہ میں نے لکھا ہوا دیکھا کہ لا الٰہ الّا اللہ محمد الرسول اللہ۔ تو حضور اقدسؐ کی مقبولیت اللہ کی بارگاہ میں کتنی ہے۔؟ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

**مقصد تخلیق آدمؑ کیلئے تکمیل نبوّت کی ضرورت تھی۔** اور جب کوئی معزّز ترین مہمان آتا ہے۔ تو مہینوں سے تیاری ہونے لگتی ہے۔ تو حضورؐ کی تا قیامت بعثت مقصود تھی کہ۔ وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون ——— کیلئے تکمیل نبوّت ضروری تھی اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے کامل

مکمل اور اکمل ترین عبادت حضور اقدس ﷺ کی تھی تو اللہ کو منظور تھا کہ سید العابدین سید المرسلین سید الانبیاء کو پیدا فرمادے تو سب سے پہلے تو عبادت کی جگہ کو تیار فرمایا، ہزاروں سال پہلے آپ کے مولاد منشاء مکہ مکرمہ میں اللہ نے اپنے محبوب بندہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل کو اس عبادت گاہ کی تعمیر کیلئے بھیجا اور حضرت ابراہیم و اسماعیل کے ہاتھوں اس معبد، بیت اللہ کی تعمیر و تجدید کرائی کہ کچھ عرصہ بعد میرا حبیب آئے گا۔ اس کے لئے اور اس کی امت کے لئے عبادت کا مرکز قبلہ اور عبادات کا رخ یہی بنے گا۔ حضرت ابراہیم بھی سراپا دعا بنے ہوتے تھے۔ فرمایا: ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔ کہ جب قیامت سے قبل فتنے انتہا کو پہنچیں گے اور اس کے بعد اسلام سب سے عالم میں بالآخر نمایاں ہوگا۔

| | |
|---|---|
| واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما | اللہ نے تمام انبیاء سے وعدہ لیا کہ جب |
| آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم | میرا نبی آخر الزمان مبعوث ہوگا، اگر تم اس |
| رسول مصدق لما معکم لتؤمنن | وقت تک رہو تو اس کی امداد کروگے۔ |
| بہ ولتنصرنہ۔ (الآیۃ) | |

ان انبیاء سابقین میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان میں محفوظ رکھا ہے۔ کہ جب ضرورت پڑے گی تو میثاق کی بناء پر انہیں اتار دیں گے۔

حضرات اب تک فتنے اتنے نہیں ابھرے اور بھی فتنے ابھریں گے۔ اور بھی فتنے عروج پائیں گے۔ مگر پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ روئے زمین کا کوئی ایسا گھر نہیں ہوگا خواہ وہ مٹی گارے کا ہو تو اونٹ کے بالوں کا خیمہ کہ اس میں اسلام داخل ہوگا اور اسلام کا غلغلہ وہاں سے بلند ہوگا۔

**عبادت گاہ کے ساتھ نمونہ عبادت کی ضرورت** جسطرح خانہ کعبہ کی شکل میں عبادات کے لئے قبلہ کی ضرورت ہوتی ہے، حضرۃ ابراہیم اس کی تعمیر کر رہے تھے، اسی طرح قیامت تک عبادات اور زندگی کے اسوہ کامل نبی کریم کی بعثت کے لئے بھی ساتھ ساتھ دعا فرما رہے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس نے خشوع و خضوع تمام آداب و شرائط کی رعایت کے باوجود بھی قصداً نماز میں اپنا رخ قبلہ سے پھیر لیا تو مرتکب کبیرہ ہوا نماز نہ ہوئی، امامؒ فتویٰ میں محتاط ہیں، اور ائمہ نے فرمایا کہ ایسے شخص پر کافر ہونے کا خطرہ ہے۔ یخشیٰ علیہ الکفر۔ تو جیسے نماز کیلئے ہر مسلمان قبلہ کی تحقیق کرتا ہے کہ رخ درست ہو تب نماز ہوگی۔

حضورؐ قبلہ عام ہیں | تو اسی طرح یاد رہے کہ ہمارے لیئے ایک قبلۂ خاص کعبہ ہے۔ اسی طرح ہمارا ایک قبلہ عام بھی ہے۔ شادی کیسے کروگے۔؟ اس کے بعد بیوی بچوں سے گذر اوقات ہوگا۔؟ پڑوسیوں مسلمانوں سے اور پوری انسانیت کے ساتھ تمہارا رویّہ کیسا ہوگا۔ یہ امور عامہ ہیں، ان سب میں ہمارا قبلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اسی طرح ہم چاہیے کتنے مہذب ہوں کتنے بڑے سائنسدان ہوں، کتنا ہی مشرق ومغرب کی تہذیب وتمدن اپنائیں لیکن جب تک اپنا قبلہ، قبلۂ عالم سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ اور انکی ذات نہ بنائیں گے۔ تو نہ ہماری شادی صحیح ہوگی نہ غمی نہ عبادات مقبول ہوں گی۔ تو ان کی زندگی اور سنت سے ہٹنا بھی کفر اور خطرہ والی بات ہوگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہم سب کے حق میں دعائیں فرمائیں۔

ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم یتلو علیہم۔ کہ رسول ان میں بھیجدے جو ان کے قلوب کا تزکیہ کرادے آیات سنادے اور کتاب وحکمت کی تعلیم انہیں دے۔

حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کیساتھ قبلۂ حقیقی کیلئے دعا کی۔ | اب حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا نتیجہ خاتم النبیین رسولؐ کا اسوہ ہر لحظہ امت کے سامنے ہوگا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے پوچھا کہ اے حفصہؓ رسول اللہ کے گھر میں ان کا فرش اور بستر کیا تھا، تو حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ میرے گھر میں حضورؐ کا فرش ایک ٹاٹ ہوتا تھا جو سردی میں آدھا نیچے اور آدھا اوپر اوڑھ لیتے تھے یہ تھا حضورؐ کا فراش۔ پھر فرمایا کہ یہ بتلاؤ کہ حضورؐ نے تمہارے گھروں میں کونسا اچھا سے اچھا کھانا تناول فرمایا، فرماتی ہیں کہ ابا جان ہمارے گھروں میں تو دو دو مہینے ایسے گذر جاتے ہیں کہ چولہے میں آگ نہ جلتی، گذارا پانی اور کھجور پہ ہوتا کبھی ایسا ہوتا کہ جَو کا آٹا وہ بھی بغیر چھنا ہوا، اس کے بھوسے کو پھونک سے اڑا اڑاکر کچھ صاف کر لیتے اور اس سے کچھ پکا لیتے، ایک دفعہ حضور اقدس میرے گھر میں تشریف لائے تو گھر میں کچھ مکھن اور جَو کی روٹی تھی جو میں نے حضورؐ کو پیش کردی اور یہی ایک ایسی غذا تھی جو حضورؐ نے میرے ہاں کچھ رغبت سے کھائی۔

اختیاری فقر | اور یاد رہے کہ حضورؐ کا فقر بھی اختیاری تھا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو یتیم بنایا گیا کہ امت کے لاکھوں یتیموں کو یتیم ہونے کا احساس نہ رہے کہ جب ہمارے آقا بھی یتیم تھے تو ہمیں کیا افسوس ہے۔ ووجدک یتیماً فاوی۔ اور ہم نے تجھے یتیم پاکر ٹھکانہ دیدیا، اور ووجدک عائلاً فاغنی۔ اور تجھے فقیر پالیا تو تونگر کردیا۔ تو آپ نے اختیاری طور پہ فقر کو ترجیح دی کہ امت کے لاکھوں اور کروڑوں فقیروں کو افسوس نہ رہے۔ ایک لاکھ روپیہ آیا تو ہمارے آقا نے

افطاری سے قبل قبل صدقہ کر دیا افطاری کیلئے بھی کچھ نہ رکھا۔ غزوہ حنین میں ۲۴ ہزار اونٹ ۴۰ ہزار بکریاں ۱۲ ہزار اوقیہ چاندی آیا۔ حضورؐ نے دو دو سو تین تین سو اونٹ تقسیم کر دئے اور اپنے لئے فقر ہی کو اختیار کیا کہ میرے امت کے فقراء کو اس سے ایک گونہ تسلی ہو گی۔

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے ایک دفعہ درخواست کی کہ غنیمت میں آئی ہوئی باندیوں سے مجھے بھی ایک دے دیں کہ خود چکی میں آٹا پیستی تھیں، پانی بھرنے سے جسم پر داغ پڑ گئے، جھاڑو خود دیتی تھیں خود حضرت علیؓ کے گھوڑے کو چارا مہیا کرتیں تو چاہا کہ ایک باندی مل جائے خدمت میں کچھ ہاتھ بٹائے گی، حضورؐ نے فرمایا اے فاطمہ تجھے اس سے بہتر چیز بتلاؤں اور وہ یہ کہ تسبیحات پر مداومت کرو رات سوتے وقت ۳۳، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر کہا کرو

**معاشی مساوات نہیں مؤاسات** اس زمانہ میں طبقاتی تفاوت اور استحصال کے جھگڑے نہ تھے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ میں نہ کھاؤں بلکہ میرا ہمسایہ کھائے، حضورؐ نے فرمایا لیس المؤمن الذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ۔ (الحدیث) وہ شخص مومن نہیں کہلا سکتا جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ خود تین دن بھوکے رہے اور مسکین، یتیم، اسیر (قیدی) کو ترجیح دی۔

(اس دوران عشاء کی اذان ہوئی تو تقریر روک دی اذان کے بعد آپ نے دعائے وسیلہ پڑھی اور کچھ دیر تک اسکی تشریح بھی فرمائی۔)

حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ اے بیٹی بدر کے شہداء کے وارث اور مجاہد ان باندیوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ الغرض حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے سوال و جواب کے بعد ان سے فرمایا اے حفصہؓ میرے دو ساتھی تھے۔ (حضور اقدسؐ اور سیدنا ابو بکرؓ) دونوں ایک راہ پر چلے اور منزل پر پہنچ گئے، تیسرا ساتھی راستہ پر ہے تو کیا یہ لوگ مجھے اپنی منزل سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اور یومیہ میں اضافہ کی درخواست مسترد کر دی ــــــ۔

حضرت عمرؓ کے بیٹے کی تنخواہ حضرت اسامہ سے پانچ سو روپے کم تھی ابن عمرؓ نے پوچھا کہ میں اور اسامہؓ دونوں ہم عمر ہیں دین کی خدمت میں برابر کے شریک ہیں، پھر یہ تفاوت کیوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیٹے تو میرا محبوب ہے اور وہ حضورؐ کے غلام زادہ ہیں میں اپنے بیٹے کو حضورؐ کے غلام زادہ کے برابر کبھی نہیں بنا سکتا۔ تو حضورؐ نے حضرت اسامہؓ اور حضرت حسینؓ کو گود میں لیا ہے اور فرماتے ہیں: اللھم

انی احبھما۔ الخ اسامہؓ بچے ہیں حضورؐ ان کی ناک صاف فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں صاف کر دیتی ہوں، فرمایا نہیں ــــ۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ اگر اللہ کی محبت چاہتے ہو تو حضور اقدسؐ کے نقش قدم پر چلو محبوب کی ہر بات کی تقلید اور اتباع تو طبعی چیز بن جاتی ہے۔ وہ کیسی محبت جس میں اطاعت نہ ہو؟

**مال و جان کی حرمت**

حضورؐ نے ہمیں تعلیم دی کہ اے لوگو! بجائے اس کے کہ اپنا سارا وقت معاشیات (دنیا) پر خرچ کر رہے ہو اس سے زیادہ وقت دین کو دیدو۔ فرمایا: المسلم من امنہ الناس علی دماءھم واموالھم۔ مومن وہ ہے جس سے تمام لوگ اپنے مال و دولت اور خون کے بارہ میں مطمئن اور بے خطر ہوں یہاں راستہ میں کسی سے کچھ گرا تو سب جانیں کہ یہاں ڈھاکہ میں سب مومن ہیں وہ اسے اٹھا کر ضائع نہیں کریں گے، دکانیں کھلی چھوڑ کر بھی مطمئن رہیں۔

حجۃ الوداع میں حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ جیسا کہ یہ مہینہ اور یہ شہر اور یہ دن محترم ہے اسی طرح قیامت تک تمام مسلمانوں کے مال و دولت عزت و حرمت سب انسانوں پر محترم کحرمتہ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا ــ تو حضورؐ کا مقصد یہ تھا کہ معاشیات ہی کو مطلوب و مقصود حیات نہ بناؤ کچھ وقت دین کو بھی دو اور اسی کو اصل سمجھو معاشیات بھی دین کو معیار بناؤ۔ فرمایا ــــ لایربو الحم نبت من سحت الا کانت النار اولی بہ۔ حرام کمائی سے بنا ہوا گوشت اور خون لازماً جہنم کی آگ سے جلایا جائے گا، حرام قطعاً مت کھاؤ۔ فرمایا جو مال کماتے ہو اس میں اوروں کا بھی حصہ ہے۔ زکوٰۃ صدقات کفارات جس شکل میں بھی ہو مال میں اوروں کے حقوق ادا کرتے رہو، اور فرمایا اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ ــ اللہ اس وقت تک اپنے بندوں کی مدد فرماتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائیوں کی امداد اور خیر خواہی میں لگے رہیں ــــ اور فرمایا کہ تمہاری کمائی دین کیلئے ہونی چاہئے۔

میرے بھائیو! حضور اقدسؐ کی سیرت مطہرہ کا کہاں تک بیان کیا جائے ان کی شان تو یہ ہے کہ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ــ

حسن یوسف دم عیسٰی ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کی سیرت اور شان کو بیان کرنا ہم جیسے جاہلوں کے بس میں کہاں۔؟ وہ شان بڑی عالی اور ارفع ہے۔ کیا عجب تھوڑی دیر کیلئے یہاں بیٹھنا اور حضورؐ کے ذکر مبارک کی خاطر نجات کا ذریعہ بن جائے۔
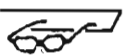
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

# دارالعلوم حقانیہ

کی

# زیر تعمیر لائبریری

## عظیم الشان صدقۂ جاریہ میں حصہ لیجئے

★

پچھلے سال ہم نے دارالعلوم حقانیہ کے شایانِ شان کتب خانہ کی مستقل عمارت کی ضرورت کیطرف اہلِ خیر اور صاحبِ درد مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی، اور یہ کہ یہ عمارت دارالعلوم حقانیہ جیسے عظیم علمی مرکز کی تمام تحقیقی اور مطالعاتی ضروریات کے پیشِ نظر جدید طرز پر تعمیر ہونی چاہیئے، اس کے ساتھ دارالتصنیف، دارالانشاء مؤتمر المصنفین، ماہنامہ الحق کے نئے دفاتر کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ سارا کام جو کئی لاکھ کے مصارف سے تکمیل پذیر ہو گا بحمداللہ اس کا ایک حصہ مکمل ہو چکا ہے، اب عمارت کا اصل حصہ (کتب خانہ کی تعمیر) کا کام باقی ہے جو قلمی، مطبوعہ، درسی اور غیر درسی کتابوں اور دارالمطالعہ کے الگ الگ حصص پر مشتمل ہو گا۔ سرِدست توکلاً علی اللہ لائبریری کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا ہے، اور اس وقت زیرِ تعمیر منصوبہ پہ دو لاکھ مصارف کا تخمینہ ہے۔ دارالعلوم کا سرمایہ محض اللہ پر توکل اور دینی درد سے بہرہ ور اہلِ خیر مسلمانوں کا جذبۂ تعاون ہے۔ اس اعتماد پر ہم تمام درد مند مسلمانوں کے جذبۂ اشاعتِ دین اور علم پروری کی بناء پر ملتمس ہیں کہ علمی زوال و انحطاط کے اس دور میں اس عظیم الشان کتب خانہ کی تعمیر میں حتی المقدور اور جلد از جلد دستِ تعاون بڑھائیں اور اپنے لئے صدقۂ جاریہ کا سامان پیدا کریں۔ اگر چند ہی مخلص حضرات اس تعمیری مد میں امداد فرماویں تو یہ منصوبہ اسی سال انشاء اللہ تکمیل پذیر ہو سکے گا۔

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ــــ اس سلسلہ میں بھیجی جانے والی رقومات کے ساتھ "برائے تعمیر کتب خانہ" کی وضاحت ہونی چاہیئے۔

**دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور، پاکستان**
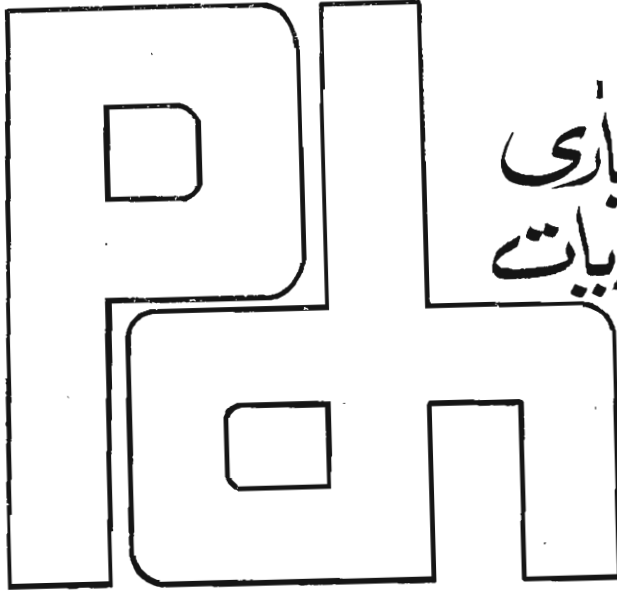
معیاری
ادویات
Ph
کا
نامور
ادارہ
خدمت ، دیانت ، اور سروس
میں
پیش پیش
معیاری نشان
Ph
ادویات خریدتے وقت یاد رکھیں

ـــــ ماہنامہ دارالعلوم

دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس کا تذکرہ عام طور پر اس قدر ہونے لگا ہے کہ ذمہ دار اس سے بیحد متاثر ہونے لگے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ یہ تقریب جلد سے جلد انجام پائے ـــ اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کی صدسالہ تاریخ کی پہلی جلد طبع ہو چکی ہے، اور دوسری جلد بھی پریس جانے ہی والی ہے جسمیں دارالعلوم دیوبند کے تمام شعبہ جات کی خدمات کا مفصل تذکرہ ہے اور ۱۲۸۳ھ سے لیکر اسوقت کے تمام حالات و واقعات اور دارالعلوم کی پوری تاریخ اس میں شرح و بسط کے ساتھ آگئی ہے۔

صدسالہ اجلاس ہی کے سلسلہ میں مجلس شوریٰ نے ایک عربی اخبار "الداعی" کے نام سے نکالنا طے کیا تھا جو دو سال سے پابندی کیساتھ برابر نکل رہا ہے۔ اور اس سے عرب دنیا میں دارالعلوم کا تعارف ہو رہا ہے۔ اکابر و اسلاف کی تاریخ پر روشنی ڈالنے کا سلسلہ بھی جاری ہے تاکہ عرب دنیا ہمارے علماء اور انکی علمی دینی اور سیاسی خدمات سے آشنا ہو جائے اور دنیا کو اندازہ ہو کہ علماء دیوبند نے مختلف میدانوں میں کتنی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ الداعی عربی اخبار نے ایک خصوصی دارالعلوم نمبر بھی نکالا تھا جو کافی ضخیم تھا اور جس میں دارالعلوم دیوبند کی مختلف جہتی خدمات پر سنجیدہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اسکے ماضی حال اور مستقبل پر تبصرہ کیا گیا ہے، اس نمبر سے دارالعلوم دیوبند کا عرب دنیا میں ماشاء اللہ کافی تعارف ہوا ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ علمی دنیا میں تقریباً ہر چھوٹا بڑا دارالعلوم کے نام اور کام دونوں سے آشنا ہو گیا ہے۔ ادھر دفتر صدسالہ اجلاس سے بھی اردو میں کئی پمفلٹ شائع کئے گئے ہیں، اسی کیساتھ قدیم فضلاء دارالعلوم سے دفتر نے رابطہ قائم کیا ہے اور سبھوں کے پتے اور انکی خدمات کی تفصیل حاصل کی ہے یہ بھی ایک بنیادی کام انجام پایا ہے۔ مولانا حامد الانصاری صاحب غازی نے جو صدسالہ اجلاس کے جنرل سکریٹری ہیں علماء دیوبند کے تمام عربی کلام کو بڑی محنت سے جمع کرایا ہے اور اسے مرتب کر کے جلد ہی چھاپنے والے ہیں اسطرح بحمداللہ ابتدائی تیاری اچھی ہو چکی ہے۔ اب آخری مرحلہ سرمایہ کا رہ گیا ہے جس پر ابھی توجہ نہیں دی گئی ہے اور اسکی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ ارباب انتظام کو اعتماد ہے کہ جس دن یہ تحریک لیکر وہ اٹھیں گے سرمایہ کی فراہمی میں انشاء اللہ دیر نہ ہوگی اور بہت جلد تخمینہ پورا ہو جائیگا۔ سرمایہ فراہم ہو جانے کے بعد پھر جلسہ کی ہنگامی کارروائی شروع کر دی جائیگی اور ہنگامی ضرورتوں کی تکمیل پر سارے ذمہ دار خود بخود متوجہ ہو جائیں گے۔ یہ بات بڑی قابلِ قدر اور مسرت کی ہے کہ ملک اور بیرون ملک کے علماء فضلاء عمائدین اور دانشوران اس صدسالہ اجلاس کیلئے سراپا شوق ہیں اور سب کی نگاہیں اس اجلاس کے انعقاد پر لگی ہوئی ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دامت برکاتہم نے اپنے سفر کا پروگرام تیار کر رکھا تھا کہ ایک سرسری دورہ غیر ممالک کا ہو جائے اور تمام ممالک تک دارالعلوم کی آواز بالخصوص صدسالہ اجلاس کی پہنچا دی جائے مگر ادھر ایک ماہ سے طبیعت ناساز چل رہی ہے علاج ہو رہا ہے۔ اب الحمدللہ حضرت والا کی طبیعت اچھی اور رو بصحت ہے آپ کے سفر کے ساتھ سرمایہ کی فراہمی شروع ہو جائے گی۔ اور انتظار کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی۔

(ظفیر صدیقی)

علمی دنیا

# مولانا انور شاہ کشمیریؒ پر سیمنار

بھارت کے مقبوضہ کشمیر سرینگر میں جموں اینڈ کشمیر مسلم اوقاف ٹرسٹ کے زیر انتظام واہتمام ٹریننگ کالج سرینگر میں ۱۹ر اکتوبر ۱۹۷۷ء سے ۲۱ر اکتوبر ۱۹۷۷ء تک سیدنا الامام محمد انور شاہ کشمیریؒ کے بارہ میں ایک نہایت اہم اور وقیع سیمنار منعقد ہوا، اسکی مختصر رپورٹ بھارت کے مشہور صاحب علم وقلم بزرگ مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے قلم سے۔ (ادارہ)

مندوبین میں ظاہر ہے دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء اور اساتذہ کا تو ایک بڑا گروہ شامل تھا ہی، ان کے علاوہ علی گڑھ اور دہلی اور خود کشمیر کے متعدد ارباب علم اور اساتذہ بھی شریک تھے، سیمنار کا افتتاح حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں جناب شیخ محمد عبداللہ کی فاضلانہ تقریر سے ہوا جس میں موصوف نے کشمیر کے تاریخی پس منظر میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی اہم شخصیت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اس افتتاحی اجلاس میں کشمیر کے اعیان واکابر اور خواتین کا عظیم اجتماع تھا۔ پورا پنڈال بھرا ہوا تھا افتتاحی تقریر کے بعد صدارتی تقریر ہوئی جو بڑی جامع اور فاضلانہ تھی۔ اس کے بعد حسب پروگرام راقم الحروف نے اپنا مقالہ "حضرت شاہ صاحب" ایک عہد آفرین شخصیت پڑھا۔ اس افتتاحی اجلاس کے ختم ہونے کے بعد ۲۱ر اکتوبر کی صبح تک نشست صبح وشام دونوں وقت ہوتی رہی جن میں حضرات ذیل نے بڑے عمدہ اور معلومات افزا مقالات پڑھے، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا قاضی زین العابدین، مولانا سید احمد رضا بجنوری، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا اخلاق حسین قاسمی، مولانا انظر شاہ کشمیری۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنوری، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، محمد عبداللہ سلیم، مولوی محمد عثمان ایم۔ ایل۔ اے، مولوی سید محمد ازہر شاہ قیصر کشمیری، ان کے علاوہ کشمیر کے بعض ارباب علم نے بھی بہت اچھے مقالات پڑھے۔ ایک نشست میں نائب وزیر اعلیٰ جناب مرزا افضل بیگ نے بھی بڑی ولولہ انگیز اور عمدہ تقریر کی۔ اعیان کشمیر مولانا مسعودی، میر واعظ مولانا محمد فاروق، مفتی جلال الدین، مفتی محمد بشیر الدین، جناب غلام رسول ڈار نے نہایت سرگرم حصہ لیا اور تینوں دن صبح سے شام تک مصروف رہے

اس وقت قوم کے سامنے یہ اہم مسئلہ ہے کہ اسلامی نظام قائم کرنے کی ابتدا کس طرح کی جائے ۔ اور ہمارا معاشرہ جس دلدل میں پھنسا ہوا ہے، اس سے نکل کر امن و راحت کی سرزمین تک پہنچنے کی کیا صورت اختیار کی جائے ۔ ملک کی سیاسی جماعتیں اس سوال کا صحیح جواب دینے سے قاصر ہیں کیونکہ ان کا نعرہ تو اسلامی ہوتا ہے مگر سیاسی مسائل پر غور کرنے کا طریقہ غیر اسلامی ہے ۔

" کل پاکستان سنی کونسل " اگرچہ کوئی سیاسی جماعت نہیں مگر اسلامی نظام قائم کرنا اور اسلامی احکام کا نفاذ ہر مسلمان کا مقصدِ عظیم ہے ۔ سنی کونسل بھی اس مقصدِ عظیم کے لئے غیر سیاسی انداز میں اب تک تبلیغ کرتی رہی اور کرتی رہے گی ۔ اس لئے اس اہم موقعہ پر اس اہم مسئلے کے بارے میں قوم کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کونسل کے دائرہ موضوع میں داخل اور اس کے مقاصد کا حصہ ہے ۔

**تمہید** | یہ بات واضح ہے کہ ہمارا معاشرہ اسلامی تعلیمات سے اس قدر دور ہو چکا ہے کہ کسی مکمل انقلاب کے ذریعے اس میں مکمل اسلامی نظام نہیں نافذ کیا جا سکتا ۔ بلاشبہ ہونا یہی چاہئے ، مگر حالات کے پہاڑ سدِ راہ ہیں اور انہیں یکایک تبدیل کرنے کی کوشش سے نقصان اور ناکامی کا اندیشہ ہے ، اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس عظیم مقصد تک تدریج کے ساتھ پہنچنے کی کوشش کی جائے ۔ اس منزلِ مقصود کا پہلا حصہ اور اس جنتِ ارضی کا دروازہ کیا ہے ۔ ؟ اور اس سلسلہ میں پہلا قدم کیا ہونا چاہئے ۔ اس سوال کا جواب کل پاکستان سنی کونسل مندرجہ ذیل تجاویز کی صورت میں دیتی ہے ۔

ان تجاویز کو پیش کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ مکمل اسلامی نظام کا خاکہ ہے ، یا صرف ان تجاویز کو عملی شکل دینا ہی منزلِ مقصود ہے ، بلکہ یہ اسلامی نظام کی صرف پہلی منزل کا خاکہ ہے ۔ جو خود مقصود ہونے کے علاوہ دوسرے منازل تک رسائی کا ذریعہ اور زینہ ہے ۔

# تجاویز

ملحوظ رہے کہ اسلامی نظام قائم کرنے کے سلسلے میں دو قسم کے اقدامات کی ضرورت ہے :

اوّل :۔ احکام شرعیہ اور ہدایات اسلامیہ کو عملاً نافذ کرنا۔

دوم :۔ اس تنفیذ میں جو موانع اور رکاوٹیں ہیں انہیں دور کرنا۔

دونوں قسموں کی تجویزیں سطور ذیل میں ملاحظہ ہوں :۔

**قرآنی لائحہ عمل** حکومت کے فرائض کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت بہت جامع ومانع اور مختصر لائحہ عمل ہے۔

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ۝ (سورۂ حج) | یہ لوگ (یعنی صحابۂ کرامؓ اور ان کے نمونے پر چلنے والے مسلمان) ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین پر اقتدار عطا فرمائیں تو یہ نماز قائم کریں گے ، زکوٰۃ نکالیں گے ، اچھی باتوں کا حکم دیں |

گے اور برے کاموں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

یہ آیت آیت تمکین کے لقب سے مشہور ہے۔ اس میں نہایت ایجاز و بلاغت کے ساتھ حکومت اسلامیہ کے پورے لائحہ عمل اور فرائض منصبی کو بیان فرمایا گیا ہے۔ گویا دریا کو کوزے میں رکھ کر اہل ایمان کو عطا فرما دیا گیا۔ اس وقت جبکہ ہمیں اس آیت پر پورے عملدرآمد کی منزل کیطرف تدریجاً چلنا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم فرائض حکومت کے سلسلہ میں اسی ترتیب کی پیروی کریں جو آیت میں قائم کی گئی ہے۔ آیت میں اقامت صلوٰۃ کا تذکرہ سب سے پہلے ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ حکومت پاکستان سب سے پہلے اقامت صلوٰۃ کی کوشش کرے، اور چونکہ خود اسکی ترویج میں بھی تدریج کی ضرورت ہے۔ اس لئے پہلا قدم اس طرح اٹھائیے :۔

**صلوٰۃ** ۱۔ جملہ سرکاری محکموں میں ملازمین حکومت کو پابندی نماز کا حکم دیا جائے اور اسکی خلاف ورزی پر محکمہ کی سزائیں دی جائیں اور اس کے لئے قواعد وضوابط بنائے جائیں۔ سول سروس کوڈ میں بھی نماز کی پابندی لازم قرار دینے کے ساتھ ترک صلوٰۃ کو نااہلی کے مترادف قرار دیا جائے۔

۲۔ تعلیمی اداروں میں خواہ وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، اساتذہ کے لئے نماز کی پابندی لازم اور شرط اہلیت ہو، اسکے ساتھ ادارہ، طلبہ وطالبات کو نماز کا پابند بنانے کے لئے کوشش کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔

۳۔ کارخانوں کے منتظمین پر یہ ذمہ داری عائد کی جائے کہ وہ اپنے کارخانوں اور دفاتر میں نماز کے لئے مناسب انتظامات کریں۔

۴۔ اہلیت امیدواری، رکنیت مجلس قانون ساز (مرکزی و صوبائی) نیز اہلیت امیدواری، رکنیت بلدیات (میونسپلٹی کارپوریشن اور ڈسٹرکٹ بورڈ) کے لئے نماز کی پابندی شرط قرار دی جائے۔ بے نمازی کو ان کی رکنیت کی اہلیت سے محروم سمجھا جائے اور امیدواری کی اجازت نہ دی جائے۔

۵۔ سرکاری ملازمت کے ہر امیدوار کے لئے لازم قرار دیا جائے کہ وہ اپنی درخواست کے ساتھ ایک حلف نامہ اس مضمون کا داخل کرے کہ میں کم از کم ایک سال سے نماز پابندی کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ اگر کسی طرح کوئی واضح ثبوت اس امر کا مل جائے کہ امیدوار نے حلف نامہ میں غلط بیانی سے کام لیا ہے تو محکمہ اس کے خلاف اپنے ضابطہ کے مطابق کارروائی کرے۔ کارروائی محکمہ کی ہے نہ کہ عدالتی، اور تجسس نہ کیا جائے۔

زکوٰۃ | ۱۔ بحالاتِ موجودہ حکومت کا زکوٰۃ وصول کرنا مناسب نہیں، جبتک تنفیذ قوانین کے ذرائع کی اصلاح نہ ہو جائے اسوقت تک حکومت اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتی بلکہ ظلم تک نوبت پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

۲۔ تاہم ابلاغِ عامہ کے ذرائع سے ادائیگی زکوٰۃ کی ترغیب اور ترہیب کا سلسلہ جاری رکھنا حکومت اپنی ذمہ داری سمجھے۔

اسلامی نظام کیلئے ذہن کی تیاری | ۱۔ پولیس، فوج، سول سروس وغیرہ سرکاری محکموں میں ضروری دینی تعلیم لازم قرار دی جائے۔ یہ تعلیم اوپر سے لے کر نیچے تک ہر سرکاری ملازم کے لئے لازم ہو، اس کے لئے مناسب ضوابط مقرر کئے جائیں۔

۲۔ ابلاغِ عامہ کے ذرائع سے صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفائے اربعہؓ و حضرت حسنؓ و حضرۃ معاویہؓ اور ازواجِ مطہراتؓ کے فضائل اور دینی خدمات کی نشر و اشاعت کی جائے تاکہ قوم کا ذہن مکمل اسلامی نظام قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔

۳۔ گندے اور جرائم آموز لٹریچر اور فلموں کو ممنوع قرار دیا جائے اور سختی کے ساتھ اسے روکنے کی کوشش کی جائے۔ لٹریچر کے بارے میں پبلشر اور پریس کی گرفت کی جائے تو انسداد کی زیادہ توقع ہے۔ نیز سینما اور ٹی وی کے اوقات کی تحدید کی جائے۔

۴۔ سرکاری اور غیر سرکاری مکاتب بکثرت قائم کئے جائیں، اسطرح ابتدائی اور بنیادی دینی تعلیم کو پھیلایا جائے۔

۵۔ دینی تعلیم خواہ وہ مکاتب میں دی جائے یا ملازمین حکومت کیلئے لازمی قرار دی جائے اس کا مندرجہ ذیل مضامین پر مشتمل ہونا لازم ہے۔

(الف) عقیدۂ توحید۔ (ب) عقیدۂ رسالت۔ (ج) عقیدۂ آخرت۔ (د) صحابہ کرامؓ کے فضائل اور دینی خدمات۔ (ہ) نماز وغیرہ اسلام کے ارکان اربعہ۔

**سیاسی و انتظامی اصلاحات** ۱۔ سرکاری ملازمتوں خصوصاً سول سروس فوج، پولیس اور قانون ساز اداروں میں اہل سنت کا پورا پورا حق انہیں ملنا چاہئے۔ یعنی ۹۵ فیصد حصہ اہل سنت کیلئے ہو اور پانچ فیصد اقلیتوں کو دیا جائے جن میں شیعہ اور مرزائی بھی داخل ہیں شیعوں کی آبادی پاکستان میں دو فیصد سے زائد نہیں اور مرزائی بمشکل ایک فیصد ہیں، اسی تناسب سے ان دونوں کو ملازمتوں اور مجالس مقننہ کی نشستوں میں حصہ ملنا چاہئے۔

۲۔ کلیدی عہدوں سے شیعوں اور مرزائیوں کو ہٹانا چاہئے۔ سیاست اور انتظام مملکت میں جو اثر و نفوذ اس وقت شیعوں اور مرزائیوں کو حاصل ہے، اسکی موجودگی میں اسلامی نظام قیامت تک نہیں قائم ہو سکتا۔ جو لوگ خلفائے راشدینؓ، اکثر صحابہ کرامؓ کو (یعنی باستثنائے نو حضرات) ظالم سمجھتے ہوں، یا جنکی نگاہیں کتاب و سنت کی بجائے ایک دوسرے مدعی نبوت کیطرف لگی رہتی ہوں۔ ان سے خلافت راشدہؓ کے نمونہ کی پیروی اور اسلامی نظام قائم کرنے کی توقع مہلک سادہ لوحی یا تباہ کن خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

۳۔ نظام زمینداری (وڈیرہ سسٹم) پاکستان میں دینی نقطۂ نظر سے بہت مضرت رساں ثابت ہو رہا ہے۔ اور اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے، بہت سی گمراہیوں اور فاسقانہ و مجرمانہ سرگرمیوں کا انسداد اس نظام کو ختم کئے بغیر ممکن نہیں، تفصیل کا یہ موقعہ نہیں، منصفانہ مشاہدہ تفصیل پیش کر سکتا ہے۔ اسلامی نظام کی پہلی ہی منزل پر نظام زمینداری کو ختم کر دینا چاہئے۔

اس کے لئے صحیح طریقۂ کار یہ ہے کہ مناسب معاوضہ مقرر کرکے بالاقساط زمینداروں کو دیدیا جائے، اور اسے کاشتکاروں سے بطرز مناسب وصول کرکے زمین کاشتکاروں کی ملکیت میں دیدی جائے۔

۴۔ بلا استثناء ہر صحابیؓ کی شان میں گستاخی و بے ادبی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اور اس کے لئے عبرتناک سزا مقرر کی جائے۔

۵۔ سول سروس کیطرح ایک جوڈیشنل سروس بھی مقرر کی جائے اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے ایک تربیتی کورس ہو جس میں علماء دین کو انگریزی اور قضاء کے طور طریقوں کی تعلیم دی جائے اور انگریزی دان افراد کو عربی اور فقہ اسلامی کی تعلیم دی جائے۔ رفتہ رفتہ انہیں قضاۃ کو نظام عدالت میں موجودہ ججوں کی جگہ دی جائے۔

۶۔ اسلامی قوانینِ معاشرت یعنی نکاح و طلاق اور وراثت وغیرہ کے متعلق احکامِ شرعیہ کو فوراً نافذ کر دیا جائے۔

۷۔ سود کے خاتمہ کے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا جائے کہ کم از کم نجی سود کا کوئی معاملہ عدالت میں آئے تو صرف اصل کی ڈگری دی جائے، سود کی کوئی ڈگری نہ دی جائے۔

۸۔ نشہ والی تمام چیزیں سختی کے ساتھ ممنوع قرار دی جائیں۔

۹۔ گھر سے باہر آنے جانے کے موقع پر خواتین کے لئے (خصوصاً سرکاری ملازم خواتین اور تعلیمی اداروں کی دس سال سے زائد عمر کی لڑکیوں اور استانیوں کیلئے) اسلامی لباس لازمی قرار دیا جائے۔

۱۰۔ اگر بحالات موجودہ شرعی حد زنا نہیں نافذ کی جا سکتی تو کم از کم ایسے علی الاطلاق ممنوع کر کے اس کے لئے تعزیر مقرر کی جائے اور قحبہ خانے بند کئے جائیں۔

کُل پاکستان سنی کونسل کی جانب سے یہ چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو انشاء اللہ مکمل اسلامی نظام کیلئے زمین ہموار ہو جائے گی، اور ہم تین چار سال کے اندر منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

واللّٰہ الحمدُ اولاً و آخراً۔

---

بقیہ: ذکری مذہب

اُمید ہے کہ کیچ کا علاقہ عبداللہ خاں کی اولاد کے ذریعہ سے فتح ہو گا۔ اور وہاں کے لوگ اسلام سے مشرف ہوں گے۔"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

(مکتوبات شاہ فقیر اللہ مکتوب ۲۶ ص ۱۰۸ مطبوعہ لاہور)

میر محبت خاں، میر عبداللہ خاں کے بڑے بیٹے اور میر نصیر خاں کے سوتیلے بھائی تھے۔ اُن کے دَور میں ذکری نہایت عروج پر تھے۔ ذکریوں کا حکمران ملک دینار تھا۔ مُلک گیری کی ہوس میں ملک دینار کے بیٹے میر شہ عمر گچکی نے پنجگور پر حملہ کر کے اقتدار کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ چونکہ پنجگور کے سرداروں سے خوانینِ قلات کی رشتہ داریاں تھیں لہٰذا میر محبت خاں نے پنجگور کے علاقہ پر حملہ کر کے میر شہ عمر گچکی کو وہاں سے نکال دیا اور شہ عمر کو سزا واقعی دینے کی غرض سے قلعہ میں محصور کیا۔ لیکن میر شہ عمر کی والدہ نے قرآن شریف سر پہ اُٹھا کے لے آئی اور اپنے بیٹے شہ عمر کے لیے جان بخشی چاہی۔ لہٰذا میر محبت خاں نے اُسے معاف کر دیا۔

چونکہ مندرجہ بالا بشارت میر نصیر خاں کے حق میں پُوری ہوئی تھی لہٰذا میر محبت خاں کے ہاتھ سے ذکریوں کے سلسلہ میں کوئی مزید کارنامہ موجود نہیں۔

# صنعتی اور زرعی ترقی کے ذریعے پیداوار میں اضافہ

بی۔ آئی۔ ایم کو اعتماد ہے کہ زراعت کا جدید طرز اپنانے اور صنعت کو فروغ دینے کے ضمن میں اسکی مسلسل کوششیں مستقبل قریب میں بارآور ہوں گی

پیداواری گنجائش کا زیادہ سے زیادہ استعمال اور سائنٹفک اصولوں کے تحت ہنرمند افرادی قوت سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا بی۔ آئی۔ ایم کے مقاصد کا لازمی حصہ ہے۔ اسی طرح توسیعی منصوبے بنانا اور انہیں مکمل کرنا بھی بی۔ آئی۔ ایم کی کارکردگی کا ایک اہم جزو ہے۔

۱۹۷۷ء کے دوران بی۔ آئی۔ ایم کے جو نئے منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچے ان میں ہیوی فاؤنڈری اینڈ فورج، سوات سرامکس اور جنرل ریفریجریٹرز خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۷۸ء کے شروع میں خام تیل صاف کرنے کی گنجائش میں ۱۵ لاکھ ٹن سالانہ کا اضافہ کیا جا چکا ہے۔ اور سالِ رواں کے اختتام تک کیمیاوی کھاد کا ایک بڑا کارخانہ، ایک بی۔ ٹی۔ ایکس یونٹ، کاربن بلیک کا کارخانہ، پیکو میں نئی آرک بھٹیاں خمیر تیار کرنے کا ایک کارخانہ، ایک جدید توسیع شدہ اونی پارچہ جات کا کارخانہ، اور سوتی کپڑے کے تین جدید کارخانے پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔ پیداوار میں اضافہ قومی دولت میں اضافے کا باعث ہوگا۔

قومی دولت میں اضافے کے لئے بی۔ آئی۔ ایم مسلسل کوشاں ہے۔

فیڈرل کیمیکل اینڈ سرامکس کارپوریشن ● فیڈرل لائٹ انجینئرنگ کارپوریشن ● نیشنل ڈیزائن اینڈ انڈسٹریل سروس
رپوریشن ● نیشنل فرٹیلائزر کارپوریشن آف پاکستان ● پاکستان آٹوموبائل کارپوریشن ● پاکستان انڈسٹریل ڈیولپمن
رپوریشن ● پاکستان ٹریکٹرز کارپوریشن ● پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن ● اسٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن آف پاکستان
● اسٹیٹ ہیوی انجینئرنگ اینڈ مشین ٹول کارپوریشن ● اسٹیٹ پٹرولیم ریفائننگ اینڈ پیٹرو کیمیکلز کارپوریشن۔

ADGR

# شانِ خلفاء راشدین

حکیم الاسلام قاری محمد طیب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند
تلخیص :- جناب محمد اقبال قریشی ، ہارون آبادی

مضمون ہذا کے مطالعہ سے قبل "مضمون شانِ رسالت" مطبوعہ "الحق" صفر ۱۳۹۳ھ ایک مرتبہ پھر پڑھ لیجئے ۔ بالخصوص شان کے معنی اور اس کی قسمیں ، قربت ، ہمت اور ہدایت کے معنی مفہوم کو پھر دیکھ لیجئے تاکہ مضمون ہذا کو سمجھنے میں آسانی ہو ۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان ۔ بندہ احقر قریشی عفرلہ

فَقَدْ رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ تُؤَمِّرُ بَعْدَکَ قَالَ اِنْ تُؤَمِّرُوْا اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تَجِدُوْہُ اَمِیْنًا زَاھِدًا فِی الدُّنْیَا رَاغِبًا فِی الْاٰخِرَۃِ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تَجِدُوْہُ قَوِیًّا اَمِیْنًا لَا یَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَلَا اَرَاکُمْ فَاعِلِیْہِ تَجِدُوْہُ ھَادِیًا مَھْدِیًّا یَاْخُذُ بِکُمُ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ (رواہ احمد ۔ مشکوٰۃ ۔ باب مناقب العشرۃ)

(ترجمہ)

"بہ تحقیق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ! آپ کے بعد ہم کسے امیر بنائیں ؟ فرمایا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کو امیر بناؤ تو تم انہیں امین اور دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا شائق پاؤ گے اور حضرت عمرؓ کو امیر بناؤ تو تم انہیں قوی اور امین پاؤ گے جو خدا تعالے کے معاملہ میں کسی ملامت کی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں اور حضرت علی کو امیر بناؤ اور میں دیکھتا ہوں کہ تم ایسا کرنے والے نہیں ہو تو تم انہیں ہدایت کنندہ اور ہدایت یافتہ پاؤ گے جو تمہیں سیدھے راستہ پر چلائیں گے ۔"

اس حدیث میں بظاہر تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو نام بنام متعین کیا گیا ہے اور اُن کے کمالات و مناقب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بلیغ اور معجزانہ انداز سے کہ ان ہی تین شانوں کی ذیل میں مراتب خلافت اور

دستور امامت و خلافت کو بھی واضح فرمایا گیا ہے اور ہر شہ شئون خلافت کو ترتیب اور ذکر فرما کر خلفائے ثلاثہ کے مراتب کی طرف کھلا اشارہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں زاھداً فی الدنیا راغبا فی الآخرۃ فرما کر ان کی شان کمال قرب بتلائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ سب شانوں سے قرب خداوندی سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور جب قرب ہی نبوّت کی اساس ہے تو صاحب قرب پر گویا نبوت کی عین تجلی ہو گی۔ اور اسے نبی سے متصل اور بلا فصل خلیفہ ہونا چاہیئے۔ اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل الخلفاء و اول الخلفاء ہوئے۔

پھر حضرت فاروق اعظمؓ کو قوی او را مین فرما کر ان کی شان کمال ہدایت بتلائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ "ہمت"، قرب اور ہدایت کے درمیان ایک برزخی مقام ہے کہ خالق سے کمال لے اور مخلوق کو دے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترتیب خلافت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان لایا گیا۔ اور مقام ہدایت چونکہ ہمّت کے بعد کا مقام اور اس کے آثار میں سے ہے اس لیے حضرت علیؓ آخری خلیفہ ہونا ضروری تھا۔

## حدیث پر اشکال اور اس کا مدّلل جواب

حدیث میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی ان کے کسی ممتاز صفت کا ذکر ہے اور اس کا جواب یہ ہے:

(۱) بقاعدہ بلاغت عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں کہ اگر اس حدیث میں مذکور نہیں تو اسے معدوم مان لیا جائے۔ کیونکہ اگر اس حدیث میں خلافت عثمانی کا ذکر نہیں تو دوسری حدیثوں میں تو ہے۔

(۲) دراصل اس حدیث میں خلافت نبوّت کی تین شانیں قرب، ہمت اور ہدایت کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں جو امتیازی شان اور وصف خصوصی تھا وہ اساسی اصول استخلاف میں شامل نہیں بلکہ ان ہی اوصاف ثلاثہ میں سے بعض اوصاف کا تتمہ ہے۔ چنانچہ وصف عثمانیؓ، وصف فاروقیؓ کا تتمہ تھا اور خلافت عثمانیؓ خلافت فاروقیؓ کا تکملہ تھی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کمال ہمت کے دو آثار ہیں۔ ایک شدّت و غضب، دوسرے حیا و مروّت اور یہ ایک وتیرہ طبعی ہے کہ ہمّت کے سلسلہ میں پہلے شدّت و غضب اپنا کام کرتے ہیں اور اس کی تکمیل پر حیا و مرّوت کا کام آتا ہے اور اپنی کارگزاری دکھاتا ہے۔ چنانچہ اولین اثر (شدت و غضب) پہلے فاروق اعظمؓ پہ ظاہر ہوا اور دوسرا اثر حیا و مروت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں نمایاں ہوا اور اس معنے میں یہ دونوں خلافتیں مل کر ایک خلافت کے ہو جاتی ہیں گو صورتاً اور عدداً دو تھیں۔ اس لیے حدیث میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصفِ مشترک ہمت کا ذکر ہوا - گویا خلافت عثمانیؓ، خلافت فاروقیؓ کا تتمہ تھی - چنانچہ فتوحات کا جو سیلاب دورِ فاروقیؓ میں بہنا شروع ہوا وہ دورِ عثمانیؓ میں مکمل ہوا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہمت ملاحظہ ہو کہ جامِ شہادت نوش فرما لیا مگر قمیص خلافت نہ اُتاری - یہ عزم محکم اور ہمتِ عالی کی شان وہی ہمت فاروقی سے ملتی جلتی شان ہے - صرف رنگ کا فرق ہے اس لیے حدیث میں اصل کا ذکر آجانا فرع کے اور اثر کے آجانے کے مترادف ہے یا بسلسلہ اوصاف خلافت اصل کو بیان کر کے تکملہ کی ضرورت نہ سمجھی گئی -

## حضرات خلفاء راشدینؓ کو بالترتیب خلافت اسی زمانے میں ملی جب اُس کی ضرورت تھی

ذات بابرکات نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد متصلاً رنگ نبوت کے خوگر انسانوں کو اگر طلب ربانی، قرب رحمانی اور تربیت نفسانی کی جستجو در تلاش تھی تو ذاتِ صدیقی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے وابستہ کیا گیا جو شانِ قرب کی وجہ سے ذاتِ نبوت کا عکس لیے ہوئے تھی اور دورِ صدیقی کے بعد نبوت کے عینی اور ذاتی رنگ سے بُعد ہو جانے کے سبب فتن کے خطرات اور مہمات عظیمہ درپیش تھے تو دامنِ فاروقی کی پناہ دی گئی جو شان قوت و ہمت کے سبب شجاعت نبوت کا ظل کامل تھے اور تنفیذ احکام دین میں کسی کی رو رعایت یا اندیشہ ملامت یا کسی خوف و خطر کی پرواہ کرنے والے نہ تھے -

اور شدت و غضب کے سبب قلوب میں ہیبتِ خلافت کا اثر بیٹھ جانے اور سارے گردن کشوں کے مغلوب ہو جانے کے بعد اس کا ردِّ عمل حیاء و مروت سے ممکن تھا تو پیکر حیاء و مروت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سربرِ خلافت ہوئے اور جب حیاء و مروت کا غلبہ ہو گیا (کیونکہ شروع میں آثارِ شدت کی غلبہ حیاء سے تعدیل ہوتی رہی - لیکن زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ شدت فاروقیؓ کے آثار ماضی ہوتے گئے اور حیاء عثمان رضی اللہ عنہ خالص ہوتی گئی) تو فتنہ سامان طبیعتیں بے روک ہو کر ابھرنی شروع ہوئیں اور جفا پیشہ منتظم لوگوں کے ہاتھوں حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے اور ہدایت کے آسمان پر گھٹائیں چھانے لگیں تو کمال ہدایت والے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کا وصف غالب ہی ہدایت اور استقامت تھا خلیفہ بنے جو گنجینہ معارف، خزینہ علوم و حقائق اور آفتاب ہدایت تھے -

## حضرات خلفائے راشدین کی عملی زندگی میں ان شانوں کا اثر:

حضرت صدیق اکبرؓ چونکہ منقطع عن الخلائق یعنی زاہد فی الدنیا اور متصل بالخالق یعنی راغب فی الآخرت تھے اس لیے ان کی نظر بغیر اللہ تعالےٰ کے کسی غیر پر نہ پڑتی تھی اور نہ کسی غیر

توحید - تفرید - تنزیہہ - تجرید



کی طرف التفات تھا۔ اس لیے آپ کا تکیہ کلام اُٹھتے بیٹھتے وقت کلمۂ اخلاص یعنی لا الہ الا اللہ تھا جو اعلےٰ ترین مقامِ توحید ہے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ باطن غیر پر پڑتی تھی ۔ مگر اس سے نفی عظمت و کمال کے لیے غیر اللہ کو نہایت حقارت سے دیکھتے تھے اور کسی غیر کی ادنےٰ سی عظمت بھی ان کے قلب کو مشغول نہیں کر سکتی تھی اس لیے آپ کا تکیہ کلام اللہ اکبر تھا جو اعلےٰ ترین مقام تفرید ہے ۔ 2

حضرت عثمان رضی اللہ کی نگاہ غیر پر ضرور پڑتی تھی اور اس کے لیے اثبات کمال سے بھی گریز نہیں تھا لیکن کمال خالص نہیں بلکہ نقص آمیز ۔ نقص اور سمات نقص سے بریت دیکھتے تو صرف اللہ کے لیے اس لیے ان کا بکثرت ذکر سبحان اللہ تھا جو اعلےٰ ترین مقام تنزیہہ ہے ۔ 3

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ بلا شبہ غیر پر پڑتی تھی مگر وہ غیر اللہ کے کمال کو نقص آمیز دیکھنے کے بجائے اس کمال کے اصل اور نسبت پر نگاہ رکھ کر اس سے کمالاتِ حق کا مشاہدہ فرماتے جو ہدایت اور استقامت کا حاصل ہے اس ۔ یے آپ کا کلام الحمد للہ تھا جو اعلےٰ ترین مقام تجرید ہے ۔ 4

میں ان مقامات اولیاء اور ان حقائق کو جس روایت سے سمجھا ہوں وہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ میں اس طرح نقل فرمائی ہے :

سئل جعفر الصادق عن الصحابة فقال ان ابا بكر الصديق ملئ قلبه بمشاهدة الربوبية وكان لا يشهد مع الله غيره فمن اجل ذلك كان اكثر كلامه لا اله الا الله وكان عمر يرى كل ما دون الله صغيرا حقيرا - فى جنب عظمة الله وكان لا يرى التعظيم لغير الله فمن اجل ذلك كان اكثر كلامه الله اكبر وعثمان كان يرى ما دون الله مخلوقا اذ كان مرجعه الى الفناء وكان لا يرى التنزيه الا الله لمن اجل ذلك كان اكثر كلامه سبحان الله - وعلى بن ابى طالب كان يرى ظهور الكون من الله وقيام الكون بالله ورجوع الكون الى الله فمن اجل ذلك كان اكثر كلامه الحمد لله -

اللہ تعالےٰ نے ان چاروں کلمات کو ملا کر ایک مجموعی ذکر بنا دیا جس کا لقب کلمہ تمجید ہے ۔ جو ایک جامع توحید و تفرید و تنزیہہ و تجرید ہے ۔ یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ۔ کوئی شبہ نہیں اس کلمہ کی تکرار اور اس کے ذکر کی مشق و عادت ڈال لی جائے تو

یقیناً خلفائے اربعہ کی نسبتوں سے مناسبت پیدا ہو سکتی ہے اور آدمی ان چاروں مقاماتِ باطن پر فائز ہو سکتا ہے۔ گویا ان چاروں مقامات باطن کے اقطاب یہ خلفائے راشدین ہیں اور بعد کے ان مقامات کو پانے والے لوگ ان کے عیال ہیں۔ اس طرح خلفائے راشدہ رضی اللہ عنہ ان احوال و مقامات کی جامع ہے جو اس کلمہ کے ذکر میں پنہاں ہیں۔

## حدیث پر ایک اور اشکال اور اُس کا جواب

حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کے وصف خاص کا ذکر فرماتے وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

وَلَا اَرَاکُمْ فَاعِلِیْنَ سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ تم انہیں سرے سے خلیفہ نہ بناؤ گے کیونکہ اس طرح یہ قول نبوی صلے اللہ علیہ وسلم معاذاللہ غلط اور خلاف واقعہ ہو گا۔ کیونکہ بہرحال حضرت علیؑ کو حضرات صحابہ نے خلیفہ بنایا اور بالاتفاق سب نے تسلیم کیا۔

اس جملہ سے خلیفہ بلا فصل بھی مراد نہیں ہے۔ کیونکہ خود حدیث نبوی میں ان کی خلافت تیسرے نمبر پر رکھی گئی ہے۔ جو بالفصل ہونے کی دلیل ہے نہ کہ بلا فصل۔

سو اس جملہ کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نہیں دیکھتا کہ تم تیسرے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بناؤ گے۔ سو یہ واقعہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے انہیں تیسرے نمبر پہ خلیفہ نہیں بنایا۔ اس میں معاذاللہ ان کی کوئی خود غرضی نہیں تھی ورنہ کلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں اس کی خبر ہوتی۔ پس اب کوئی اشکال نہ رہا۔

---

**بقیہ** : سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

کیا جا رہا ہے جب کہ نئے نویلے خود ساختہ مجاہدین کی ایک کھیپ سے قوم کو متعارف کرایا جا رہا ہے۔

شومئ قسمت کہ ؎ منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

خدارا علماء حق کو بدنام نہ کیجئے۔ اُن کے کردار کو مسخ نہ کیجئے۔ تم نے انہیں زندگی میں بہت کچھ ستایا۔ آج وہ تمہاری گلھائے رنگ اور بوقلمونی دُنیا کو چھوڑ گئے اور تم سے ابدالآباد کے لیے مُنہ موڑ گئے۔ لیکن تم نے ان کا قبروں تک پیچھا کیا اور ان کی ارواح مقدسہ کو ستانے سے باز نہیں آئے۔ ان کے لاکھوں عقیدتمندوں شاگردوں، مریدوں کا دل دکھایا۔ ان کی آل اولاد کو روحانی اذیت دی۔ تعمیر نہیں کر سکتے نہ سہی تخریب کاری تو نہ کریں جو وقت آئے گا جب ہم اصل اور نقل، کھوٹے وکھرے میں پہچان کریں گے اور اب وہ وقت دُور نہیں ہے اس کے بارے میں خود امیر شریعتؒ پیش گوئی فرما گئے ہیں کہ : "ایک وقت آئے گا تم ہماری قبروں پر آکر رؤ گے اور کہو گے کہ تمہیں لوگ سچے تھے"۔

AFC-5/74 Crescent

## امیرِ شریعت

# سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری

## اور

# تحریکِ پاکستان

از مولانا عبداللہ خطیب جاصل پور ضلع بہاولپور

ماہ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے ماہنامہ "حکایت" لاہور کے شمارہ میں محترم محمد یونس نامی صاحب کا ایک مضمون بعنوان "منزل کا سراغ" شائع ہوا۔ یونس صاحب نے اپنے مضمون میں تحریک پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے اپنی فعال کارکردگی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ہر جماعت کے مخلص کارکن اور وہ کر جذبہ اور جوش و خروش سے نیز دُنیا کی پیمیگوئیوں سے بے پرواہ ہو کر جماعت کی تعمیر و ترقی اور استحکام کے لیے کام کرتے ہیں۔ اور یقیناً ایسے ہی افراد شبانہ روز محنت سے ساحل مراد کو پالیتے ہیں۔

یونس صاحب نے اپنی خود بیتی میں لکھا ہے کہ میں طالب علمی کے دَور میں احرار اور نیشنلسٹ جماعت کے دام فریب اور چکمہ میں آگیا اور جب قریب رہ کر اُن کے ناپاک مشن اور مذموم عزائم سے مطلع ہُوا تو فوری راہِ فرار اختیار کر لی۔ وہ اس دَور کے ایک جلسہ کا ذکر کرتے ہیں جو احرار اور کرد وں کی انگیخت پر کرایا گیا۔ اگرچہ بظاہر اس جلسہ کا سارا بند و بست آل نیشنلسٹ طلباء لاہور نے کیا تھا اور یونس صاحب اس آل نیشنلسٹ طلباء کے سیکرٹری تھے۔ یہ جلسہ موچی دروازہ لاہور میں ہُوا۔ جلسہ کی صدارت سرحد کے "مردِ آہن" خان عبدالقیوم خان نے کی جبکہ مقرّرین میں سے صاحبزادہ فیض الحسن صاحب آلومہار والے اور امیر شریعت سیّد عطاءاللہ شاہ صاحب بخاری تھے۔

یونس صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں "امیر شریعت" سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری نے پاکستان اور پاکستانیوں کا ذکر جن "حسین" الفاظ میں کیا وہ یادگار حیثیت رکھتے ہیں ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔ اُنہوں نے اپنے مخصوص خطیبانہ جادُو بھرے لہجے میں فرمایا "یہ لوگ پاکستان مانگتے ہیں — پاکستان — جانتے ہو کیا مانگتے ہیں؟ — پاکستان! پاکی استان — انہیں پاکی استان چاہیئے۔ پاکی استان دے دو استرے اُن کے ہاتھوں میں اور بھیج دو ان کو غُسل خانوں میں — بنالو پاکی استان!"

احقر نے یونس صاحب کا یہ مضمون پڑھا تو دل کو بہت بڑا صدمہ ہُوا۔ دِل آخر دل ہے یہ ایک نازک

اور حسّاس آبگینہ ہے جو معمولی اور ہلکی سی چوٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اس پہ کلوخ زنی اور سنگ باری کا وحشت ناک مظاہرہ کیا جائے۔

بعض لوگوں کا یہ پسندیدہ مشغلہ رہا ہے اور آج بھی ہے کہ وہ ہر ناکردہ جُرم کی سزا کا مستحق علماء دین کو ٹھہراتے ہیں۔ بلا وجہ ان کو مغلظات اور صلواتیں سُناتے رہتے ہیں۔ معمولی باتوں کی آڑ لے کر اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بناتے ہیں اور طعن و طنز کے تیروں سے ان عزت مآب مقدس و پاکیزہ روحوں کو جو مدت سے جوار رحمت، میں خواب استراحت کے مزے لوٹ رہی ہیں چھلنی کر کے اپنی علماء دشمنی کے جذبہ کی تسکین کرتے ہیں حالانکہ ہم مشرقی لوگوں کی روایت اس کے بالکل برعکس ہے اور وہ یہ کہ "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است۔"

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مجلس احرار اسلام نے کانگرس کی طرح قیام پاکستان اور تحریک پاکستان کی نہ صرف کھلم کھلا مخالفت کی بلکہ مخالفت میں پورا ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس کا علم نہ صرف اس وقت کے لوگوں کو ہے بلکہ موجودہ نسل جو اس وقت معرض وجود میں بھی نہ آئی تھی اس کو بھی ہے اور اس قدر ہے کہ گویا وہ اس کے چشم دید گواہ ہیں۔

کیا یونس صاحب گڑے مُردوں کو اکھاڑنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ آخر وہ موجودہ اتحاد کی فضاء کو مکدر کر کے اپنے کس جذبے کی تسکین چاہتے ہیں۔ یہی کہ اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کی بجائے وسیع تر کیا جائے۔ حالانکہ یہ ماضی کے واقعات ہیں کہ جو اب نسیاً منسیا اور قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ کیا اب ان کو موجودہ نوجوان نسل کے ہر فرد بشر کے گوش گذار کر کے ان تؤدو الامانات الی اھلھا کے بار گراں سے سبکدوشی چاہتے ہیں۔ اور پھر بَیر کا کوّا بنانے میں اُنہوں نے جس مہارت فن سے کام لیا ہے اور عبارت کے خاص الفاظ کو بین القوسین لکھ کر جس طرح سجایا ہے واقعی یہ یونس صاحب کا ہی حصّہ ہے۔ کس عجیب انداز سے تحریر فرماتے ہیں کہ " امیر شریعت " " حسین الفاظ " میں اپنے مخصوص خطیبانہ جادو بھرے لہجے میں . یہ جما سونے پر سُہاگہ ہے۔

دُنیا جانتی ہے کہ امیر شریعتؒ برصغیر کے ایک عظیم اور نامور خطیب تھے۔ آج بھی برصغیر ایشیا بشمول ایران و افغانستان، برما و انڈونیشیا دُنیائے خطابت میں ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شاہ صاحب اقلیم خطابت کے لاثانی تاجدار تھے۔ آپ کی ذات میں وہ تمام خوبیاں اور اوصاف جو ایک کامیاب خطیب کے لیے ضروری ہیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ شاہ صاحبؒ موقع محل کی مناسبت و موزونیت کے پیش نظر ظرافت و لطافت کا اندازہ بھی اختیار کرتے تھے اور اپنے نمکدار ظرافت سے سامعین

کو بھی بہرہ ور کرتے ۔ آج تک ان کے نمکینی چٹکلے اور مزاحیہ جُملے دفقرے زبان زدِ خاص و عام ہیں بلکہ اسی بناء پر مفسرِ قرآن ولی زمان حضرت لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ جی ایک ولی کامل اور عارف باللہ ہیں ۔ اُنہوں نے اپنی ولایت کی پردہ پوشی کے لیے مزاح کی چادر اوڑھ رکھی ہے ۔ لیکن یونس صاحب پاکستان کے لفظ کو اپنے مخصوص خطیبانہ جادو بھرے لہجے میں لکھ کر کس قدر ظلم ڈھتے ستم فرما رہے ہیں ۔

مذہب اسلام میں اور خصوصاً جمہوریت میں ضمیر اور آزادئ رائے کے برملا اظہار کا حق معاشرہ کے ہر فرد و بشر کو حاصل ہے ۔ اختلاف اپنی جگہ باعثِ رحمت اور امرِ حسن ہے لیکن اختلاف برائے اختلاف و انتشار نہ ہو ۔ کیا آج تک کسی نے یہ سوچا کہ احرار نے لیگ اور تحریک قیام پاکستان کی مخالفت کیوں کی ؟ ان کی مخالفت کس نوعیت کی اور کن امور پر مبنی تھی ؟ احرار کیا چاہتی تھی ؟ وہ لیگی مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر اپنے آپ کو رسوا کرنے کے کیوں درپئے ہوئی ؟ وہ عوام الناس کے طعن و طنز سے بے نیاز ہو کر میدانِ مخالفت میں کیوں کود پڑے ؟ کیا احرار کے مسلمہ زعماء و قائدین علم و دانش اور سیاسی ابجد سے عاری تھے ۔ کیا وہ فہم و فراست سے نابلد و ناآشنا تھے ، یا وہ حبِ وطن کے ایمانی جذبہ سے تہی دامن تھے ؟ اگر کوئی خلوت و یکسوئی میں بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے مندرجہ بالا سوالوں پر غور و فکر کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا ضمیر اس کو مطمئن نہ کرے ۔ اور اپنے ہی دل کی گہرائیوں سے اُن کا جواب نہ پائے ۔

محترم یُونس صاحب نے تصویر کا ایک رُخ یعنی " پاکستان ، قائداعظم اور مسلم لیگ " کا جی بھر کے مذاق اُڑایا پیش کیا ہے ۔ جبکہ دُوسرا رُخ یہ ہے کہ لیگی طلباء نے لاہور ایسے مرکزی شہر کے ریلوے اسٹیشن پر دن دیہاڑے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایسی بزرگ ہستی پر شراب پھینکی ، ڈاڑھی نوچی ، مُکے ، دھکے دیئے ۔ حد یہ کہ چہرۂ مبارک پر تھپڑ مارے اور سر سے ٹوپی اتار لی گئی ۔ اور کانگرسی مُلا مُردہ باد کے نعروں سے فضا میں ارتعاش پیدا کیا گیا ۔

ان مادر پدر آزاد اور بے حیاء ، ننگِ انسانیت ، شرافت کے دُشمنوں ، بھیڑیئے نما انسانوں نے ننگے ہو ہو کر ڈانس کیا اور خوب زندہ دلی سے مذاق اُڑایا ۔ یہ مُسلم طلباء تھے جنہوں نے پاکستان میں لا الٰہ الا اللہ (حکومتِ الٰہیہ نظامِ مصطفےٰ) کا راج قائم کرنا تھا ۔ شاید انگریز جیسے بد باطن دُشمن سے بھی ان بُزرگوں کو ایسی روحانی وجسمانی تکلیف نہ پہنچی ہو گی ۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ! کہ با من ہر چہ کرد آشنا کرد

## امیرِ شریعتؒ کی قائداعظم سے مُلاقات کی خواہش

یُونس صاحب نے لکھا ہے کہ قائداعظم کا جی بھر کے مذاق اڑایا ۔ اب مندرجہ ذیل پُورے

واقعہ سے اندازہ کریں کہ امیر شریعت کے دل میں قائداعظم کا کس قدر احترام تھا۔ ۱۹۴۶ء میں امیر شریعتؒ نے قائداعظم سے ملاقات کی خواہش کا بارہا اور برملا اظہار کیا۔ آپ نے اپنی اس خواہش کا اظہار پورے ملک کے طول و عرض میں تقاریر کے دوران کیا اور پھر لاکھوں کے مجمع عام میں دہلی میں لاکھوں کے مجمع میں فرمایا اور قائداعظم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"پاکستان کی تھیوری میرے بار بار سوچنے پر بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ میں جس قدر اس پر سوچتا ہوں اسی قدر خود ہی کھو جاتا ہوں۔ لیکن اگر آپ کہتے ہیں کہ مسلمان قوم اور خود ہندوستان کی نجات بھی اسی میں ہے تو اس سلسلہ میں میرے چند خدشات ہیں وہ دور کر دیں تو پھر آپ آرام سے بمبئی بیٹھ جائیں میں آپ کے ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے حصولِ پاکستان کے لیے ہندو اور انگریز دونوں سے نپٹ لوں گا۔ دیکھئے مسٹر جناح! یہ دس کروڑ مسلمان قوم کے مذہب اور ان کی مستقبل کی زندگی کا سوال ہے۔ یہ دس کروڑ عرب سے نہیں آئے بلکہ اسی کفر کدہ سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت خواجہ مجدد الف ثانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ (داتا گنج بخش) حضرت نظام الدین اولیاءؒ (دہلی)، حضرت پیرانِ کلیرؒ جیسے ولی، قطب، ابدال اور شب زندہ دار لوگوں نے اپنی ریاضت و عبادت سے راجپوتانہ ایسے کفر گڑھ میں بیٹھ کر انہیں مسلمان کیا تھا۔ اب اگر ہندو اور انگریز کی ملی بھگت سے ان دس کروڑ مسلمانوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔"

اور اسی جلسہ میں آپ نے عوام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"میں نے اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ فرنگی سے لڑ کر اس کے جیل خانوں میں گزارا ہے۔ مگر جو بات ایک دفعہ سمجھ میں آگئی ہے پھر اس سے منہ نہیں موڑا۔ انگریز جیسی جابر سلطنت کے سامنے کھڑے ہو کر وہی کچھ کہا جو سے میرا ضمیر مطمئن تھا۔ میں مسٹر جناح کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ میری ان کی سیاسی لڑائی ہے ذاتی نہیں۔ آج میں آپ لوگوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اپنی بات سمجھنے کے لیئے اگر مجھے مسٹر جناح کے قدموں پر اپنی یہ سفید داڑھی بھی رکھنی پڑی تو خدا کی قسم! میں اس سے گریز نہیں کروں گا۔ لیکن بات سمجھے بغیر ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ چاہے میری قوم میرے خلاف ہو جائے"۔

قارئین کرام! آپ اس عبارت کی سنجیدگی، متانت اور وزن کو ملاحظہ فرمائیں اور امیر شریعت کے خلوص کی جھلکوں کا نظارہ کریں۔ اب رہا یہ سوال کہ امیر شریعتؒ کے وہ خدشات کیا تھے جو آپ ملاقات کے ذریعے دور کرنا چاہتے تھے لیکن افسوس کہ قائداعظم نے شرفِ باز یابی نہ بخشا۔ جب وہ کٹر ہندوؤں، سکھوں، راجوں مہاراجوں، گاندھی، نہرو، ماسٹر تارا سنگھ سے تو میل ملاپ کر سکتے تھے تو ایک صحیح النسب، شریف النفس فقیرانہ

مرد درویش سے ملنے سے کیوں گریزاں رہے ؟ یا پھر آپ کو ایک روایتی مُلّا سمجھتے ہوں گے۔ واللہ اعلم
امیر شریعت کے خدشات ملاحظہ فرمائیں :

## امیرِ شریعت کے خدشات

۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو اُردو پارک دہلی میں رات کے گیارہ بجے پانچ لاکھ کے عظیم الشان مجمع عام میں لگی لپٹی رکھے بغیر فرمایا :

" مجھے پاکستان بن جانے کا اسی قدر یقین ہے جتنا کہ اس بات پر کہ صبح سورج مشرق سے طلوع ہونے والا ہے۔ لیکن یہ پاکستان وہ پاکستان نہیں ہوگا جو اس وقت کے دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لیے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں۔ ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے ؟ بات جھگڑے کی نہیں سمجھنے اور سمجھانے کی ہے۔ تحریک پاکستان کی قیادت کرنے والوں کے قول و فعل میں تضاد ہے ۔ اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلا دے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبے کی کسی گلی میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ قد پہ اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے۔ جن کا اُٹھنا، بیٹھنا، جن کا سونا جاگنا، جن کی وضع قطع، رہن سہن، بول چال، زبان، لباس غرض کوئی چیز اسلام کے مطابق نہ ہو وہ ایک قطعہ زمین پر اسلامی قوانین کس طرح نافذ کریں گے "؟

امیر شریعتؒ نے کلہاڑی کو دونوں ہاتھوں پر اُٹھا کر مشرقی اور مغربی پاکستان کے نقشہ کو سمجھاتے ہوئے کہا :-

" اِدھر مغربی پاکستان ہوگا، اُدھر مشرقی پاکستان ، درمیان میں چالیس کروڑ ہندوؤں کی حکومت ہوگی لالوں کی حکومت، لالے دولت والے، ہاتھیوں والے۔ ہندو اپنی عیاری اور مکاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرے گا، اُسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ آپ کے دریاؤں کے پانی روک دیئے جائیں گے۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور آپ کی حالت ہوگی کہ بوقتِ ضرورت مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی مدد کرنے سے قاصر ہوں گے۔ پاکستان ہر چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان، زمینداروں، صنعت کاروں کے خاندان ہوں گے جو اپنی من مانی کارروائیوں سے عوام الناس کو پریشان کر کے رکھ دیں گے۔ غریب کی زندگی اجیرن ہو جائے گی، امیر دن بدن امیر تر ہو جائیں گے اور غریب غریب تر "۔

اسی تقریر میں ہندو سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

"پاکستان کی بُنیاد ہندو کی مسلمان دشمنی پر استوار ہوئی ہے۔ دولت سے پیار کرنے والے ہندو نے گائے کی پُوجا کی، پیپل مہاراج پر پھُول چڑھائے، چیونٹیوں کے بلوں پر چاول ڈالے، سانپ کو اپنا دیوتا مانا۔ لیکن مسلمان سے ہمیشہ نفرت کی، اس کے سائے تک سے اپنا دامن بچائے رکھا۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ بڑے سے بڑے ہندو نے اچھوتوں پر اپنے مندروں کے دروازے کھول دیئے۔ لیکن مسلمان سے اس قدر نفرت کی کہ اُس کے لیے دل کے دروازے کبھی وانہ کئے۔ آج اسی نفرت کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنا الگ وطن مانگنے پر مجبور ہُوا ہے۔

یہ ہیں امیر شریعت کے خدشات جنہیں بعد کے واقعات وحالات نے لفظ بہ لفظ صحیح ثابت کر دیا اور عربی کا یہ مشہور محاورہ طابق النعل بالنعل پُورا صادق آیا۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے ان خدشات کو کتابوں اور رسالوں میں پڑھ کر اور بڑے بُزرگوں سے سُن کر مجھے جناب پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلّم کا فرمان یاد آجاتا ہے کہ اتقوا فراستہ المومن — فانہ ینظر بنور اللہ اور کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

امیر شریعت نے مستقبل کے پیش آمدہ واقعات کو ماضی وحال کے جھروکوں سے دیکھ لیا تھا۔ تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ امیر شریعتؒ کا ایک ایک خدشہ امر واقعہ بن گیا۔

جو لوگ امیر شریعتؒ یا احرار سے وابستہ بزرگوں کو ہندو نواز کانگرسی مُلّا یا ایجنٹ کا راگ الاپتے نہیں تھکتے وہ امیر شریعتؒ کی اس تقریر سے شاہ جیؒ کا ہندو دھرم، ہندو ذہنیت کے بارے میں صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن — شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

اچھا ہُوا کہ امیر شریعت پہلے وقتوں میں دُنیائے فانی سے رُخ موڑ کر دار باقی اور سوئے مولا چل دیئے۔ ورنہ یہ متعصّب، تنگ نظر علماء دشمن، بےدین عناصر "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کے مصداق ان مقدس بُزرگوں کو تختۂ دار پر لٹکاتے اور اپنا جرم وکرتوت ان بزرگوں کے کھاتے میں ڈالتے اور کہتے کہ یہ تمہاری سازشوں اور عیاریوں کا کیا دھرا ہے۔ اور قاتلانِ وطن (پاکستان) کے گلے میں تو یہ لوگ آج بھی ہار ڈال رہے ہیں اور ان عناصر کو جنہوں نے وطن عزیز کو دولخت کیا آج بھی محب وطن اور قائد عوام کے نام نہاد القاب سے یاد کر رہے ہیں:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

## امیر شریعتؒ اور ہندو

امیر شریعتؒ ہندوؤں اور سکھوں سے میدان کارزار میں نپٹنے کے لیے بھی تیار تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے ۱۹۴۶ء کے اواخر میں جو تقریریں کیں وہ یادگار اور مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔ میرٹھ میں کانگرس کا اجلاس منعقدہ ۲ر نومبر ۱۹۴۶ء پر سردار ولبھ پٹیل کی تقریر کا

بڑی سختی سے نوٹس لیا اور آپ نے راولپنڈی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"عزیزمن وقت آگیا ہے کہ اپنے تمام مذہبی اور سیاسی اختلاف کو بھلا کر صرف اپنی آبرو بچانے کی تدبیریں سوچیں۔ ہمسایہ قومیں تمہارے مٹانے کی فکر کر رہی ہیں، سکھوں کے گردوارے اور ہندوؤں کے مندر جنگی قلعے بن گئے ہیں۔ سامانِ حرب سے لیس ہمسایہ قومیں تمہارے خون کی پیاسی ہیں۔ یاد رکھنا اگر اب بھی تم نے فیصلہ کرنے میں غفلت اور ڈھیل کی تو بیاس اور ستلج میں پانی کی بجائے مسلمان قوم کا خون بہے گا۔ اٹھو اور حالات سے مقابلہ کے لیے کفن بردوش ہو جاؤ۔ اپنے گھروں میں سامان حرب جمع کرو۔ خواہ وہ جیسا کیسا ہو اور اپنے بازو میں قوت پیدا کرو۔ یہ لمبی چوڑی تقریروں کا وقت نہیں جاؤ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی تیاری کرو۔"

بلکہ آپ نے مخیر اور باثروت حضرات کو ترغیب دلا کر سرحد سے اسلحہ منگوایا، جالندھر اور امرتسر میں تقسیم کیا اور غریب آدمیوں کی امداد کی۔ کیا ایسے کردار کے مالک کو کانگرسی ملّا یا ہندو نواز کہا جاسکتا ہے؟ ذرا گریبان میں جھانک کر دیکھ لیں ؎

آئینہ میں دیکھنے والے جمال کے اچھے سے سامنا ہے ذرا دیکھ بھال کے

## احرار اور لیگ کا اصل اختلاف

قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام کا ملتان میں ایک اجلاس بلایا گیا۔ امیر شریعت اپنی خانگی مجبوریوں اور معذوریوں کے تحت شرکت نہ کر سکے لیکن آپ نے اپنے خیالات کا اظہار بذریعہ مکتوب کر دیا جو ماسٹر تاج الدین انصاری اور نواب زادہ نصر اللہ خان کو لکھا۔ امیر شریعت کے اس مکتوب کے چند ایک اقتباس پیش قارئین ہیں ملاحظہ فرما کر انصاف فرمائیں کہ کیا یہ جذبات کسی وطن دشمن کے ہیں یا کسی محب وطن کے پاکیزہ خیالات اور استحاتِ قلم ہیں جو صاحبِ تحریر کی قلبی کیفیت کے عکاس و آئینہ دار ہیں۔ امیر شریعت لکھتے ہیں :

"لیگ سے ہماری سیاسی کشمکش ختم ہو چکی اور الیکشن کے ساتھ ہی ختم ہو چکی تھی، اس وقت لیگ قوت حاکمہ ہے۔ مسلمانوں نے اسے بنایا اور قبول کر لیا ہے۔ پاکستان نہ صرف مسلم لیگ کا بلکہ کانگرس کا تقسیم پنجاب کے اضافے کے ساتھ تسلیم کردہ معاملہ ہے جس پر "حضور" برطانیہ کی مہر ثبت ہے اس میں صرف مسلم لیگ کو ہدفِ ملامت بنانا شرافت سے بعید ہے۔

۱۔ مسلم لیگ سے ہمارا اختلاف صرف یہ تھا کہ ملک کا نقشہ کس طرح بنے یہ نہیں کہ ملک نہ بنے (پاکستان) بلکہ یہ کہ اس کا نقشہ کیونکر ہو۔ یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا نہ حلال وحرام اور نہ ثواب و گناہ کا اور نہ ہی مذہب کا۔ وہ تو ایک نظریئے کا اختلاف تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ

پورے چھ صوبے میں اور مسلم لیگ بھی چاہتی تھی۔ ہمارا اختلاف صرف مرکز کی علیٰحدگی پر تھا۔ مسلم لیگ بھی فرقہ وارانہ جماعت تھی اور مجلسِ احرار بھی۔ مسلم لیگ میں بھی کوئی غیر مسلم شامل نہیں ہو سکتا اور نہ ہو سکتا ہے (یہ الگ بات ہے کہ قیام پاکستان کے بعد پہلے الیکشن میں مسلم لیگ نے متعدد مرزائیوں (غیر مسلموں) کو صوبائی اسمبلی کے ٹکٹ دیئے۔ خدا معلوم کہ یہ ان کی سیاسی چال یا کوئی کارگر حربہ تھا یا پھر وسعت ظرفی سمجھئے۔ بہرکیف یہ امر واقعہ ہے) بس اختلاف تو صرف اتنا تھا کہ ہم کہتے تھے کہ آزادی مل جائے۔ ذرا سنبھل لیں اور اس کے دس سال بعد بھی مرکز سے علیٰحدہ ہو جائیں گے۔ مگر لیگ کہتی تھی کہ نہیں مرکز کے ساتھ ہمارا کوئی الحاق نہیں رہ سکتا۔ بس اب ہمارا مسلم لیگ سے کوئی اختلاف نہیں۔ نہ پہلے ہمارے اور اُن کے درمیان مذہبی اختلاف تھا نہ خدا کا نہ رسول کا نہ ہم ولی ہیں نہ لیگ والے قطب، اگر لیگ والے گنہگار ہیں تو ہم کون سے ولی اللہ ہیں۔ ہمارا اور اُن کا اختلاف صرف مرکز سے علیٰحدگی کرنے پر تھا۔ داغؔ مرحوم کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے ؎

مُدّت سے میری اُن کی قیامت کی ہے تکرار — بات اتنی ہے وہ کل کہتے ہیں مَیں آج

۲۔ نیز امیر شریعت نے یہ بھی لکھا :

"میری آخری رائے اب بھی ہے کہ ہر مسلمان کو اب پاکستان کی فلاح و بہبود کی راہیں سوچنی چاہئیں۔ اور اس کے لیے عملی قدم اٹھانا چاہیئے۔ مجلسِ احرار کو ہر نیک کام میں حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے اور خلافِ شرع کام سے اجتناب۔"

## اور جب پاکستان بن گیا

امیر شریعتؒ نے پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد اپنے ضمیر کی صاف صاف اور دو ٹوک بات کہہ دی کہ :-

"مَیں اپنی رائے میں ہار گیا جناح صاحب اور لیگ اپنے مشن اور رائے میں کامیاب ہوئی، نیز فرمایا یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے پاکستان کی مخالفت کی لیکن جو کچھ کیا اور جو کچھ صحیح سمجھا وہی کچھ کیا۔ ہمارا ضمیر اس وقت بھی مطمئن تھا اور آج بھی شرمندہ نہیں۔

؎ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق — ازل سے رہا ہے قلندروں کا یہی طریق

## امیر شریعت اور استحکام و دفاعِ پاکستان

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں مرحوم نے جب بھارت کی سرکار کو جلسہ عام میں مکّہ دکھایا اور اپنے جذبہ جہاد کا اظہار کیا تو شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

"اگر اعلانِ جنگ ہوا تو بُوڑھا بخاری بھی میدانِ جنگ میں کُود پڑے گا۔ مجھے افسوس ضرور ہے کہ

میں جوان نہیں لیکن دشمن کے مقابلے میں جوان ہوں۔ میری تمنّا ہے کہ بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کی بجائے میدانِ جنگ میں جان دُوں۔"

آپ نے اس وقت بڑے بڑے شہروں کے علاوہ قصبات و دیہات کی آبادیوں میں مسئلہ جہاد کو بیان کر کے پُوری قوم کو بیدار کیا اور ملّت و آن کی آن پر مرنے مِٹنے کے لیے تیار کیا۔ ایک دفعہ ملتان میں احرار ورکروں کو جلسہ عام میں دورانِ خطاب فرمایا کہ بھائی میرا تو شکاری کُتے کا سا حال ہے جو شکار کو دیکھ کر بھونکتا ہے وہ جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اسی کی آواز لگاتا ہے وہ دوڑتا ہے کُودتا ہے پھڑکتا ہے کہ شکار سے لپٹ جاؤں اور بھونکتا ہے کہ اپنے مالک سے اُس کی خبر کر دوں۔ اسی طرح مَیں بھی شکار کو (وطن دُشمن عناصر مرزائی۔ ہندو۔ انگریز) دیکھ رہا تھا اور تمہارے دروازے پر بھونکا۔ جس دروازے پر گیا اُسی نے لاٹھی رسید کی کہ "بے ایمان سونے نہیں دیتا" حالانکہ جو کچھ مَیں دیکھتا تھا اسی کی صدا لگاتا تھا"

اللہ اللہ شاہ جی کا جذبہ حب وطن، خلوص نیّت، قوم کا درد، ملت کی غمخواری ملاحظہ فرمائیں۔ نامعلوم کلا کلاں روزِ قیامت یہ روسیاہ احکم الحاکمین کی عدالت عالیہ میں کیا مُنہ دکھائیں گی جو پس مرگ بھی وطن دُشمن مخالفِ پاکستان اور کانگرسی ایجنٹ کے تمغے دینے سے باز نہیں آتے۔ ذرا سوچیں اپنی عاقبت کا فکر کریں، من اذیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب الحذر الحذر۔

کیا ہم لوگوں نے کبھی مرزائیت، عیسائیت اور اُن کی وطن دشمنی کی کارروائیوں اور سازشوں کا بھی جائزہ لیا ہے اور نقد و تبصرہ کیا ہے۔ کبھی ان کو بھی اپنے ناوک انگلی کا ہدف ٹھہرایا ہے۔ جرائم کے بین السطور ناقابلِ تردید ثبوت کی موجودگی میں کبھی ان کو بھی گردن زنی مجرم قرار دیا ہے اور اُن کے مکروہ و ناپاک عزائم سے قوم اور ملّت کو آگاہ کیا ہے۔ جن بدکردار عناصر نے مذہب پر آرے اور تیشے چلائے اور رُوحِ اسلام کو ذبح کیا دین و شریعت کی شہ رگ کاٹی۔ کبھی ان کے خلاف بھی کوئی احتجاج یا تحریک چلائی ہے یا ان پر نفرین بھیجی ہے۔ چونکہ موجودہ معاشرے میں صرف علمائے دین ہی لاوارث نظر آتے ہیں تو ان کو کمزور و ضعیف گردان کر مجرم قرار دیا ہے ~ ہے جُرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

## امیر شریعتؒ کا اپنے سیاسی رفقاءِ کار کو مُخلصانہ مشورہ

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب امیر شریعت اپنی بیماری و کمزوری اور دیگر عوارض کی بناء پر مُلکی سیاسیات سے الگ تھلگ ہوئے تو آپ نے اپنے سیاسی رفقاء کار و احباب کو بُلایا اور فرمایا اگر تم میں سے کوئی مُلکی معاملات میں دلچسپی لینا چاہے یا سیاسی مزاج کا مالک ہو تو میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ آپ کے اس اعلان و مشورہ کے بعد سیاسی مزاج رکھنے

والے حضرات دھڑا دھڑ مسلم لیگ میں شمولیت کرنے لگے ۔ افسوس کہ لیگ نے ان کی قدر نہ کی حوصلہ افزائی کے بجائے دل شکنی کی بلکہ ان نو وارد حضرات کو دزدیدہ اور مشتبہ نظروں سے دیکھا اور اپنے دروازے بند کر لیے ۔ یہ حقیقت ہے کہ لیگ اپنی انہی عمداً، سہواً غلطیوں اور نااہلی کی بدولت مخلص، فعال اور ہمدرد قوم لوگوں سے محروم ہو گئی ۔ سب مفاد پرست، اقتدار کے پجاری ابن الوقت لوگ اکٹھے ہو گئے جنہوں نے بندر بانٹ شروع کر دی ۔ اقتدار و کرسی کے حصول اور بقاء و تحفظ کی خاطر مسلم لیگ دھڑے بندی اور باہمی چپقلش اور کش مکش کے نتیجہ میں بہت جلد اقتدار سے محروم ہو گئی ۔ اس بنا پر ملک صحیح استحکام اور تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن نہ ہو سکا ۔ آئے دن حکومتیں، وزارتیں اور صدارتیں بدلتی رہیں اور " ہر کہ آمد عمارت نو ساخت " کے مقولہ کو دہرایا جاتا رہا اور قائد اعظم مرحوم کی اس عظیم امانت کو جو وہ ہمارے سپرد کر گئے تھے بڑی بے دردی اور لا ابالی پن سے تباہ و برباد کیا گیا اور خیانت ایسی لعنت کا ارتکاب کیا گیا ۔ قوم کے ان لٹیروں کو قائد اعظم مرحوم اور ملت جن کی عظیم الشان قربانیوں کا ثمرہ تھا کبھی بھی معاف نہیں کرے گی ۔ بشرطیکہ مستقبل کا مورخ اس فریضہ کو دیانتداری سے انجام دے ۔

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ علماء حق کی اس جماعت کے رکن رکین اور ایک عظیم فرد تھے جنہوں نے استخلاصِ وطن اور آزادی ملک و ملت کے لیے تعمیر و ترقی اور استحکام کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے ۔ ان کی ہڈیوں پر آزادی کا فلک بوس محل تعمیر ہوا جن کا آج نام لینا بھی جرم شمار کیا جاتا ہے ۔ آج ان مجاہدین سے قوم کی معصوم اور نوجوان نسل کو برگشتہ کرنے کے لیے غلط اور گمراہ کن مضامین شائع کئے جاتے ہیں اور ان شر انگیز تحریروں پر انعام دیئے جاتے ہیں اور موجودہ حالات میں تو اس مشن کو تیز تر کر دیا گیا ہے تاکہ اہلِ پاکستان علماء کی قیادت سے بدظن ہو جائیں ۔ لیکن حقیقت، حقیقت ہوا کرتی ہے ۔

پاک و ہند کی وہ کون سی قابلِ ذکر تحریک ہے جس میں ہمارے علماء نے مثالی کردار کا مظاہرہ نہ کیا ہو ۔ ملک و ملت کی خدمت کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں ان کی خدمات جلیلہ کا روشن باب نہ ہو ۔ پاک و ہند کی وہ کون سی جیل ہے جس میں انہیں آزادی وطن کے جرم میں پابند سلاسل بنا کر محبوس نہ رکھا گیا ہو ۔ اور جہادِ آزادی کے سلسلہ میں ان پر کون سا ظلم و ستم ہے جو روا نہ رکھا گیا ہو ۔ ان اللہ کے نیک بندوں نے ہر مصیبت کو برداشت کیا اور اف تک نہ کی ۔

ربِ ذوالجلال کی قسم ! اگر تحریک آزادی ہند سے علماء کا نام مٹا دیا جائے اور ان کے عظیم کردار کو خارج کر دیا جائے تو آزادی کی کہانی نامکمل اور ادھوری رہ جاتی ہے ۔ یہ نہ صرف ایک علمی بددیانتی ہو گی بلکہ آئندہ نسلوں پر ظلم عظیم ہو گا ۔ آج جہاد و تحریک آزادی کے اصل محرکین و بانیوں اور قائدین کو مصلحت بینی کے مدِ نظر نظر انداز

بقیہ ص ۴۲ پر

مولانا عبدالمجید نصر قندی۔ کراچی
(مسلسل)

# بلوچستان کا ذکری مذہب

## گچکی خاندان کا سیاسی اور مذہبی عروج اور زوال

مکران و بلوچستان میں بلیدی خاندان کے بعد گچکی برسر اقتدار آئے۔ یہ مذہبی اعتبار سے سخت متعصب اور مسلمانوں کے بدترین دشمن واقع ہوئے۔ ان کے حسب و نسب کے بارے میں بتاتے ہیں کہ یہ اصل میں راجپوت سکھ تھے۔ مکران میں آکر بلوچوں سے گھل مل کر ان میں شادیاں کیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ گچکی باپ کی طرف سے سکھ راجپوت ہیں اور ماں کی طرف سے بلوچ۔ تقریباً تمام مؤرخین یہی لکھتے ہیں مگر گچکی اپنے کو خالص بلوچ بتاتے ہیں۔

مسٹر انتھونی آف بیٹے کا کہنا ہے کہ:

"گچکی راجپوت تھے مکران آنے کے بعد اقتدار کی خاطر ذکری بن گئے۔ ویسے بھی عقائد کے لحاظ سے راجپوت اور ذکری میں چنداں فرق نہ تھا۔ لہٰذا وہ نہایت آسانی کے ساتھ ذکری بن بیٹھے۔ مثلاً گچکیوں کا جد اعلیٰ ملک دینار گچکی (سیپ والا) جو کہ کیچ مکران کا حکمران تھا عقائداً ذکری تھا۔"

(بحوالہ مکران تاریخ کے آئینہ میں ص۹)

ملک دینار کا باپ ملا مراد گچکی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بلیدی دور حکومت میں بلیدیوں کا وزیر و مشیر رہا ہے اور ملا محمد مہدی اٹکی کے بعد اس نے خلافت کا دعوےٰ کیا اور ذکری فرقہ کا مذہبی خلیفہ بن گیا۔ اور کوہ مراد جہاں پر ذکری حج کرنے جاتے ہیں اسی ملا مراد کی طرف منسوب ہے اور کہا جاتا ہے کہ رسمِ حج کی بدعت اسی ملا مراد کے ذہن رسا کی پیداوار ہے اور آبِ زم زم کے لیے اس نے ایک کنواں بھی کھدوایا تھا۔

ملا مراد کے بعد اس کا بیٹا ملک دینار گچکی ذکریوں کا مذہبی خلیفہ بن گیا۔ جب بلیدیوں کا آخری حکمران شیخ بلال مسلمان ہوگیا تو اس نے مذہبی تعصب کی بنا پر تمام ذکریوں کو اشتعال دے کر قلعہ کیچ پر حملہ کر دیا۔ شیخ بلال کو قتل کر دیا اور شیخ قاسم ثانی نے نادر شاہ سے امداد طلب کی تاکہ وہ اپنے چچا کے قتل اور بلیدیوں کی شکست کا بدلہ لے سکیں لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے خود نظر بند ہو گئے اور اس کے خاندان کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اس طرح سنہ ۱۷۴۰ء میں ملک دینار مکمل طور پر مکران پر قابض ہوگیا۔

جناب عبدالرحیم صابر لکھتے ہیں:-

"بلیدیوں کی طرح گچکی بھی ذکری عقیدہ کے پیروکار تھے۔ انہوں نے ملا مراد اور اس کے لڑکے

ملک دینار سے اس عقیدہ سے متعلق کافی اثر قبول کیا تھا۔ چنانچہ بلیدیوں کے زوال پر گچکیوں نے اپنے آپ کو مکران کا مالک اور جائز حکمران خیال کیا اور ان کی پرانی شاخ سنے پنجگور کو اور نئی شاخ نے کیچ اور گوادر کو اپنے تصرف میں لے لیا۔" (مکران تاریخ کے آئینہ میں ص۴۹)

## مذہبی عروج اور تعصّب

بلیدی اگرچہ ذکری عقیدہ کے پابند تھے لیکن وہ گچکیوں جیسے متعصّب نہ تھے۔ دین اسلام میں رخنہ اندازی اور تشدّد کا پرچار جتنا ملا مراد اور اس کے بیٹے ملک دینار نے کیا شاید کسی اور نے نہیں کیا۔ نیز مذہبی بدعات اور خرافات نے اس کے دور میں جنم لیا۔ مثلاً رسم حج کی بدعت، نمازیوں سے شدّت سے نفرت، نمازی کا خون حلال سمجھنا۔ مذہبی پیشواؤں کو حلال و حرام کا اختیار ہونا۔ عورتوں کی حِلّت، دُنیا میں جنت کی فروخت، عورتوں کے لیے کوہ مراد کو برہنہ ہو کر طواف وغیرہ خرافات نے انہی ایام میں جنم لیا۔ پاکستان وجود میں آنے کے بعد ان نازیبا حرکات کو انہوں نے یا تو بالکل چھوڑ دیا یا ان کو دیہاتوں تک محدود رکھا۔

حضرت مولانا محمد موسےٰ صاحب دشتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

"روایت ہے کہ اس (ملا مراد اور ملک دینار) کے زمانے میں کیچ مکران میں طاقت ور ترین لوگ یہی تھے اور کیچ میں ان کے سوا اہل سنت والجماعت کا کوئی آدمی نہ تھا اور آبادیوں کے حاکم اور بڑے بڑے لوگ عوام ہوں یا خواص سب کے سب اس جدید مذہب کے پابند تھے۔ ان کے علاقوں اور آبادیوں میں اہل سُنت والجماعت میں سے کوئی بھی شخص گزرتا اور ان کو معلوم ہو جاتا (کہ یہ سُنی اور نمازی ہے) تو اُس کو اسی وقت قتل کر دیتے تھے۔"

(عمدۃ الوسائل ص۱۱)

ذکری چونکہ مرتد ہو چکے تھے اور نہایت سختی سے بے دینی کو ہر طرف پھیلا رہے تھے۔ ان علاقوں میں مُسلمان نہایت کمزور تھے ان کے ہاتھ میں نہ اقتدار تھا اور نہ طاقت تھی کہ ان کا مقابلہ کریں۔ لہٰذا ان کے لیے صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا ان کی مثال ایسی تھی جس طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد کمزور اور ناتواں مُسلمان جو مکّہ میں رہے اور ہجرت نہ کر سکے وہ مشرکین مکہ کے ظلم و بربریت کے شکار ہو گئے تھے کھل کر خُدا کی بندگی اور نماز نہیں پڑھ سکتے۔ ملک دینار ذکری دورِ حکومت کا طاقت ور ترین شخص اور جنگی چالوں کا بھی ماہر تھا جس نے نادر شاہ کے حملے کو بھی ناکام بنا دیا تھا۔

## حضرت شاہ فقیر اللہ علوی ثم شکارپوری رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا اور اُس کی قبولیت و بشارت!

حضرت شاہ فقیر اللہؒ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ سندھ کے میاں نور محمد کلہوڑا، افغانستان کے احمد شاہ ابدالی اور ریاست قلات کے حکمران میر محبت خان و میر نصیر خاں نوری اور مکران کے محمد خاں بلوچ ان کے عقیدتمندوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب ذکریوں کے ارتداد سے سخت ناخوش تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اس ارتداد کا خاتمہ ہو جائے اور ان علاقوں میں اسلام کا غلبہ ہو۔

چنانچہ آپ جب ۱۱۶۲ھ مطابق ــــ ء میں حج کو گئے اور آپ نے حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مواجہ شریف میں قصیدہ مبرورہ پڑھ کر دُعا کی۔ چنانچہ آپ کو بشارت ہوئی کہ میر عبداللہ خاں والی ریاست قلات کی اولاد میں سے کسی ایک کے ہاتھ سے اللہ تعالےٰ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ ان دنوں میں میر محبت خاں ولد میر عبداللہ خاں قلات کے حکمران تھے اس لیے شاہ صاحب نے ان کے نام خط لکھا اور سوچا کہ ممکن ہے مشارالیہ محبت خاں ہی ہو۔ لیکن دُنیا جانتی ہے کہ وہ بشارت بطلِ جلیل میر نصیر خاں نوری ولد میر عبداللہ کے حق میں صحیح ثابت ہُوئی۔

خط درج ذیل ہے:۔

"الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلیٰ اجمعین۔ امابعد۔ محب الفقراء، مخلص صلحاء محبت خاں سلمہ اللہ تعالےٰ عما الیلیق بشانہ وکان لہ بلطفہ واحسانہ۔ سلام سنت سید الانام و دعوات حسنہ مخصوص است، بر ذات شریف مخفی نماند آنکہ ایں فقیر حقیر چوں در سنہ ایک ہزار یک صد شصت ۱۱۶۲ھ دو بتاریخ دوازدہم جمادی الاول بہ مدینہ منورہ رسید در مواجہت حضرت سرور اللہ الاعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام قصیدہ مبرورہ کہ آں را فقیر نظم کردہ است۔ میخواند و استغاثہ می نمود و شفاعت از بارگاہ حضرت رسالت منزلت صلے اللہ علیہ وسلم می خواست و خیریت دارین طلب داشت دریں ہنگام بخاطر گذشت کہ اگر غلبۂ اسلام بر طائفہ بلوچان الکائی کیچ مکران کہ داعی مذہب اند اگر صورت گیرد۔ چہ عجب و خوب خواہد بود تا ایں طائفہ از مذہب شنیع خود برگردند و اسلام قبول کنند دریں اثناء الہام وارد شُد کہ غلبۂ اسلام بر طائفہ مذکورہ بتوسط اولاد عبداللہ خاں براہوئی قلاتی خواہد بود و فقیر دعا خواستہ روانہ مسکن خود گردید۔ در حریم حرم روشن نام بلوچ کہ از اہل سنت والجماعت و از اقربا رشیخ تنکی بود و برائے استغاثہ در حق ہمان طائفہ مذکور در حضور پُرنور نشستہ بود دوچار شُد فقیر بے آنکہ باد آشنائی در حالہ مرور

ظاہر ساخت کہ فتح وظفر یافتن بر طائفہ داعی مذہب بر اولادِ عبداللہ خان براہوئی موقوف داشتہ اند
این معنی غیر از توسط آنہا صورت ندارد و فقرار قبل ازیں نام عبداللہ خان را نشنیدہ بود در ینولا چوں
بہ بندر گوادر رسید ظاہر گردید کہ محبت خان از اولادِ عبداللہ است بنا بر آن بخدمت قلمی گردید
بنا بر اشارت شاید کہ بدست ایشان فتح گردد و این طائفہ بحلیہ اسلام مُحلّی گردند ۔ امید است
کہ الکائی کیچ مکران بدست یکے از اولادِ عبداللہ فتح گردد و اہل آں باسلام مشرف گردد "
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،

(ترجمہ) " تمام تعریف اُس پروردگار کے لیے مخصوص ہیں جو جہان والوں کا رب ہے ۔ درود و سلام
اس کے رسول حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اور اس کی تمام اولاد پر ہو ۔ اما بعد !

فقرار کے دوست اور صلحار کے مخلص محبت خان ، اللہ تعالےٰ اُنہیں ہر آفت سے بچائے اور ان پر
اپنا لطف واحسان کرے ۔ سلام اور نیک دعائیں آپ ہی کی ذات کے لیے مخصوص ہیں ۔

واضح ہو کہ یہ فقیر ایک ہزار ایک سو باسٹھ ہجری (۱۱۶۲ھ) بارہ (۱۲ر) جماوی الاوّل کو مدینہ منورہ پہنچا اور
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس (مواجہ) پر اپنا لکھا ہُوا ایک قصیدہ پڑھا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم
کی بارگاہ سے مدد شفاعت اور دین و دنیا کی خیریت مانگی ۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ اگر
کیچ مکران کے رہنے والے علاقہ کے وہ بلوچ جو داعی (ذکری) مذہب رکھتے ہیں ان پر اسلام کا غلبہ ہو
تو کتنی اچھی بات ہے ۔ تاکہ یہ گروہ اپنے بے ہودہ (گندے) مذہب کو چھوڑ دے اور اسلام قبول کرے۔
اسی اثنا (دوران) میں الہام وارد ہُوا کہ اس گروہ پر اسلام کا غلبہ عبداللہ خان براہوئی قلاتی کی اولاد
کے ذریعے ہو گا ۔ فقیر نے دُعا کی اور اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ آیا ۔ حرم شریف (نبوی) میں ایک بلوچ
روشن نام کا جو اہل سُنت والجماعت سے تھے اور بشیخ تنگی کے رشتہ داروں میں سے تھے یہ بھی اس
گروہ داعی (ذکری) کے لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے فریاد کر رہے تھے ۔ میری اُن سے مُلاقات
ہوئی ۔ اس فقیر نے باوجود اس کے کہ روشن صاحب کے ساتھ کوئی واقفیت نہ تھی ان پر ظاہر کیا کہ
داعی (ذکری) مذہب پر اسلام کا غلبہ عبداللہ خان براہوئی کی اولاد پر منحصر رکھا گیا ہے ۔ ان کے بغیر
یہ مقصد پُورا نہیں ہو سکتا ۔

اس فقیر نے اس سے پہلے عبداللہ خان کا نام بھی نہ سُنا تھا ۔ چنانچہ جب بندہ گوادر پہنچا معلوم ہُوا کہ
محبت خان ، عبداللہ خان کی اولاد سے ہے ۔ اس بنار پر یہ خط ان کی خدمت میں لکھا ۔ اس بشارت
کے مطابق شاید ان کے ہاتھ سے یہ کامیابی حاصل ہو اور یہ گروہ اسلام کے لباس سے آراستہ ہو جائے۔

بقیہ صہ ۲۱ پر

جناب خان غازی کابلی احراری، دہلی کے قلم سے

ہمارے ایک دوست مولانا عبدالرحمٰن صدیقی فاضل دارالعلوم حقانیہ اپنے شیخ و مرشد سیدنا مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کی سوانح حیات کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے برصغیر کے اعیان علم و فضل سے مراجعت کی ہے۔ دہلی کے مشہور بزرگ شخصیت جناب خان غازی کابلی احراری نے اس ضمن میں ماضی کے بہت سے واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ امید ہے کہ آپ بیتی سے زیادہ جگ بیتی کو قارئین الحق اپنے لئے ایک نایاب تحفہ سمجھیں گے۔ اس دہلی کا تحفہ جس سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی داستانیں وابستہ ہیں۔ (مدیر)

★

"مولانا احمد علیؒ، مولانا عبیداللہ سندھی اور بزرگانِ احرار کے تعلقات اور حالات کے پیشتر اپنے مختصر حالات درج کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ آپ نے جس شخص کو مکتوب لکھا ہے وہ کس درجہ کا انسان اور خدمت گزارِ قوم اور ملّت ہے۔"

**میرا وطن "پاکتیا"**

میں افغانستان کے صُوبہ "پاکتیا" میں موضع "زراگی" ضلع خوست کا رہنے والا ہوں۔ جس زمانے میں عدم سے وجود میں آیا تھا اس زمانے میں "حیات و ممات کے اندراج کا کوئی رواج نہیں تھا۔ اس لیے اندازے سے لکھتا ہوں۔ جس سال انڈین نیشنل کانگرس قائم ہوئی تھی اسی سال یعنی ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوا۔ میرے والد کا نام عبدالرحیم احمدی عرف خان پیر ہے۔ والدہ کا نام "لونگہ نیازی" ہے اور سُنی قبیلے کی شاخ "درنامی" سے ہوں۔ سُنی قبیلہ کرلانیوں کا ایک قبیلہ ہے۔ مشہور افغان مُجاہد پیر بایزید روشن ساکن کانی گرام وزیرستان اور مشہور قہرمان پشتو کے شاعر خوشحال خاں خٹک ساکن اکوڑہ خٹک ضلع پشاور بھی "کرلانی" افغان تھے۔ پاکتیا اس قدیم آریہ (شریف) قبیلے کے نام سے موسوم ہے جس کا ذکر اگ وید کے ایک منتر میں اس طرح آیا ہے:

"اے اندرا تو ہمیں ایسی دُودھ دینے والی گائیں عطا کر جو تُو نے پکتیا کے راجکماروں اور شہزادوں کو عطا کی تھیں۔"

**قادیانیت اور افغانستان**

میں اپنے خاندان میں تنہا سُنی حنفی المذہب اور مجاہد آزادی ہوں۔ میرے والد اور چاچا اور چھوٹے بھائی مولانا خلیل الرحمٰن احمدی (قادیانی) ہیں۔ آپ کو حیرت ہو گی کہ احمدیت (قادیانیت) افغانستان اور پاکتیا کیسے پہنچی؟ اس سلسلہ میں قاضی محمد یوسف قادیانی آف ہوتی مردان اپنی پشتو کی کتاب "احمدیت اور افغانستان" میں لکھتے ہیں کہ:-

"جس وقت افغانستان اور ہندوستان میں حد بندی ہو رہی تھی اور ڈیورنڈ لائن بن رہی تھی انگریزوں کی طرف سے "سر ڈیورنڈ" اور "صاحبزادہ عبدالقیوم" (آف ٹوپی) مقرر تھے اور کرم گئے تھے افغانستان کی طرف سے سردار شیریں دل خان "گورنر پاکیت" اور صاحبزادہ عبداللطیف آف خوست مقرر ہو کر کرم گئے تھے۔ یہ لوگ دن کو حد بندی کا کام کرتے تھے اور رات کو آپس میں بیٹھ کر دوستانہ ملاقاتیں کرتے اور تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ ان رات کی مجلسوں میں ایک انگریزی ملازم نے حضرت احمد (مرزا غلام احمد قادیانی) کا ذکر کیا تو صاحبزادہ عبداللطیف نے ان کی کتابوں کو دیکھنے کا شوق ظاہر کیا اس پر کسی (انگریزی ملازم) نے انہیں "آئینہ کمالات اسلامی" نامی کتاب پیش کی جس کے پڑھنے سے صاحبزادہ عبداللطیف بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے دو مریدوں مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی عبدالجلیل کو قادیان بھیجا۔" ص ۱۱

قاضی محمد یوسف قادیانی کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افغانستان اور دوسرے ممالک میں احمدیت (قادیانیت) کی تبلیغ کرنے والے حقیقت میں انگریزوں کے ملازم تھے اور اس سلسلہ میں سر سید سرحد صاحبزادہ عبدالقیوم آف ٹوپی ضلع مردان کی قادیانیت کی ترقی کے باعث تھے۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں احمدیت یعنی قادیانیت" کا اثر یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ سوات میں "ستھانہ" کے سید عبدالجبار شاہ احمدی قادیانی ہو گئے تھے اور فخر افغان خان عبدالغفار خان جیسی مجاہد شخصیت بھی قادیان تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آگئی تھی۔

**میں ہندوستان کیوں آیا؟** مجھ پر یہ خدا کا ہمیشہ ہی لطف اور کرم رہا ہے کہ میں جہاں بھی اور جس محفل میں بھی گیا اوّل و آخر "احراری" ہی رہا۔ انگریز دشمنی اور حریت و آزادی کے جذبات نے پہلے مجھے وزیرستان کے مشہور مجاہد غازی موسےٰ خان مسعود کا رفیق و ساتھی بنایا۔ پھر جب ۱۹۱۵ء میں مولانا برکت اللہ بھوپالی اور راجہ مہندر پرتاپ افغانستان پہنچے تو مجھے یہ تحریک ہوئی کہ افغانستان اور مسلم ممالک کی آزادی کا راز ہندوستان کی آزادی میں مضمر ہے۔ اس لیے میں پاکتیا (افغانستان) سے ہندوستان آیا۔ پہلے آغا پیر مقبول شاہ گھنٹہ گھر پشاور کے ہاں کچھ عرصہ تک رہا۔ اس کے بعد قادیان، علی گڑھ، دہلی، جے پور اور ہندوستان کے مختلف شہروں سے ہندوستان کی آزادی کے لیے سرگرم رہا۔

"احرار ہند" میں سے میرا زیادہ گہرا تعلق مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا محمد عرفان ہزاروی وغیرہ سے رہا اور جب حالات نے انہیں "منقار زیر پر" کیا اور "مجلس احرار اسلام ہند" کا قیام عمل میں آیا تو میری بے چین اور آزادی پسند طبیعت نے قادیان سے اکھاڑ کر احرار اسلام سے وابستہ کیا اور پھر تقسیم وطن سے کچھ سال قبل سرحد کے خدائی خدمت گاروں سے تعلقات استوار کیے اور جب ملک تقسیم ہوا پاکستان

کا قیام عمل میں آیا تو لال قلعہ پر "پرچم آزادی" لہرانے کے شوق نے دہلی پہنچایا اور اب تقریباً گذشتہ تیس سال سے دہلی میں ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ شعر میرے لیے ہی کہا ہے ؎

اک جگہ رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
دن کہیں صبح کہیں شام کہیں

**احرار وطن** میرے خیال میں "مجلس احرار اسلام" ہی وہ پہلی سیاسی جماعت ہے جس نے احمدیت (قادیانیت) کا سیاسی محاذ پر کامیاب مقابلہ کیا اور اسے ہر میدان میں شکست فاش دی۔ اکبرالہ آبادی کا شعر ہے کہ ؎

"بدھو میاں" بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مُشتِ خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

اگرچہ اکبر نے یہ "علی برادران" کی شان میں کہا تھا مگر یہ مجھ پر بھی صادق آتا ہے۔ کیونکہ "بزرگانِ احرار" کے ساتھ میری حیثیت بھی "بدھو میاں" اور "مشت خاک" کی سی رہی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ "دشمنانِ احرار" ہی کے نزدیک میری حیثیت "مجلس احرار اسلام" میں "گوئٹر بگ دگو بلنز" کی سی تھی۔

ہندوستان کی آزادی کے بے شمار قافلہ سالاروں سے میرے قریبی اور دوستانہ تعلقات رہے ہیں لیکن مجھے مولانا حسرت موہانی اور مولانا مظہر علی اظہر نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ یہ دونوں ایسے حق گو اور بے باک تھے جو مصلحتوں کے جنگلوں اور سمندروں کے سینوں کو چیرنے کی صلاحیتیں رکھتے تھے۔ اگر مولانا حسرت موہانی نے سب سے پہلے آزادی کامل کا پرچم بلند کیا تھا تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا مظہر علی اظہر نے "احرار اسلام" کے قائد کی حیثیت سے سب سے پہلے کشمیر کی آزادی کا پرچم بلند کیا تھا اور اس کی جماعت "احرار" نے اپنی قربانیوں سے "اقبال" کو میرزا بشیر احمد محمود کی سیاسی غلامی یعنی کشمیر کمیٹی کی ممبری سے آزاد کر کے مشرف بہ اسلام کیا تھا۔ اسی طرح مجلسِ احرار اسلام نے ہی سب سے پہلے احمدیوں (قادیانیوں) کے غیر مُسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس کا سہرا قدرت نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے سر باندھا اور یہ پیش گوئی بھی ۱۹۳۶ء میں مولانا اظہر علی اظہر نے ہی کی تھی کہ:

"میرزا بشیر الدین محمود کہتے ہیں کہ مسجد شہید گنج کی وجہ سے احرار کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔ مگر میں قادیان میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ بہت جلد ہندوستان آزادی حاصل کرے گا اور انگریز چلے جائیں گے اور قادیان مرزا بشیر الدین محمود کے قدموں سے نکل جائے گا۔"

۱۹۲ء میں مولانا مظہر علی اظہر احرار اسلام کی طرف سے میرزا محمود کے دعوتِ مباہلہ پر قادیان گئے تھے اور اُنہوں نے قادیان میں مندرجہ بالا تقریر کی تھی اور دُنیا نے اس پیش گوئی کی صداقت کو اگست ۱۹۴۷ء میں دیکھا کہ میرزا بشیر الدین محمود احمد قادیان سے نکل کر "رتن باغ لاہور" میں پناہ گزین ہوئے اور پھر چنیوٹ (ربوے) میں اپنا مرکز قائم کیا۔

## مولانا احمد علیؒ اور بزرگانِ احرار

مَیں نے حضرت مولانا احمد علیؒ کے شباب کا زمانہ نہیں دیکھا ہے لیکن جب اُنہیں دیکھا تو اُن کی داڑھی اور مُونچھوں میں سفید بال آ گئے تھے اور اُن کے درسِ قرآن میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور اس نے مولانا کو قرونِ اولےٰ کے بزرگانِ دین کے نورانی پیکر میں دیکھا۔ اُن کے درسِ قرآن میں دُور دُور سے علماء فضلاء اور طلباء اکثر شریک ہوتے تھے اور فیض یاب ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوتے تھے۔ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ان کے درس قرآن میں ندوۃ العلماء کے سیّد ابوالحسن علی میاں اور "مدرسہ باقیات صالحات" ویلور (مدراس) کے مولانا صبغت اللہ بختیاری بھی ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں کا جو مکتوب میرے خط کے جواب میں آیا ہے ملاحظہ ہو:-

" رائے بریلی

مکرمی محترمی خان غازی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ مورخہ ۱۹ر فروری پہنچ کر موجب مسرت ہُوا۔ آپ نے یاد فرمایا بڑی خوشی ہوئی۔ دفتر "برہان" میں آپ سے ملنا مجھے یاد ہے اور مَیں نے آپ کے مضامین دلچسپی سے پڑھے ہیں۔ مجھے حضرت مولانا احمد علیؒ سے نہ صرف یہ کہ تلمذ بلکہ ارادت کا شرف بھی حاصل ہے۔ لیکن مَیں مولاناؒ پر ایک مبسوط مضمون لکھ چکا ہوں، جو میری کتاب "پرانے چراغ" کی زینت ہے۔ اس سے زیادہ مَیں مستقبلِ قریب میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔ کئی مصروفیتیں حائل اور بعض طویل سفر درپیش ہیں۔ مولانا کے خطوط کا بے شک میرے پاس ایک اچھا مجموعہ ہے لیکن وہ نجی اور تربیتی ہیں اس لیے عام اشاعت بغیر ان کو edit کئے ہوئے مناسب نہیں۔ امید ہے کہ آپ سے ان لوگوں کو جنہوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے مطلع فرمائیں گے۔ حضرت مولانا عبدالحق سے بھی مجھے ذاتی نیاز حاصل ہے اور ان کے صاحبزادہ مولانا سمیع الحق صاحب خصوصی کرم فرما ہیں "پرانے چراغ" کا ایک ایڈیشن پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ یقیناً ان حضرات کی نظر سے گزرا ہو گا۔ آپ کی بہ نظر سے کتاب نہ گزری ہو تو مجھے مطلع فرماویں مَیں ایک نسخہ بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ والسّلام مخلص ابوالحسن علی

۲۴ر فروری ۱۹۷۸ء "

## سیّد بخاری کو "امیر شریعت" کا خطاب

درس قرآن مجید کے بعد میرے خیال میں حضرت مولانا کا دُوسرا شاہکار اور بڑا کارنامہ "انجمن خدام الدین" کے زیرِ اہتمام سینکڑوں علمائے کرام کا وہ اجتماع عظیم تھا جس میں دین اور دُنیا کے نامور مشاہیر نے بھی شرکت کی تھی۔ جہاں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سیّد انور شاہ کاشمیری اجتماع میں موجود تھے وہاں سر محمد اقبال اور سر میاں محمد شفیع آف باغبانپورہ لاہور بھی حاضرین میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار دُنیا دار و سرکار پرست لوگ علمائے کرام کے افکار و خیالات سُننے کے لیے گوش برآواز موجود تھے۔ یہی وہ اجتماع تھا جس میں سید انور شاہ کشمیریؒ نے بلبل ریاض رسول مولانا سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کو "امیر شریعت" کے خطاب سے سرفراز کیا تھا اور بر سر اجلاس انور کشمیریؒ امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری سے بیعت ہوئے تھے۔ لیکن افسوس کہ آج علمائے کرام اور احرار دونوں نے انہیں اس لیے فراموش کر دیا کہ ان کی یاد سے بہت سی ایسی تلخیاں وابستہ ہیں جو انگریزوں کے کالے جانشینوں کو پسند نہیں یقیناً خلاء آشیاں بخاری کی رُوح شاعر کی زبان میں کہہ رہی ہو گی ؎

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی ہیں :
اچھا ہُوا کہ تم نے فراموش کر دیا

## شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی یاد

ایسی حالت میں جبکہ علماء اور جہلاء دونوں زلفِ سیاست میں جکڑے ہُوئے ہیں یہ باتیں باعثِ مسرت اور صد افتخار ہیں کہ ایک طرف خوشحال خان خٹک کی سرزمین (صوبہ سرحد) سے حضرت عاشق قرآن و حدیث مولانا احمد علی لاہوریؒ کی یاد میں آواز بلند ہوئی ہے اور دوسری طرف کشور حسن و عشق پنجاب "ساہیوال" سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کو یاد کیا گیا ہے اور ماہنامہ "الرشید" کے سید حسین احمد مدنی اور سر اقبال" نمبر کی اشاعت کا اعلان ہُوا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور قائد احرار مولانا مظہر علی اظہرؒ سچ فرمایا کرتے تھے کہ آج مسلمان جن آفات و بلیّات میں مبتلا ہیں صرف اس وجہ سے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی توہین کی تھی بلکہ انہیں سخت ایذائیں بھی پہنچائی تھیں اور جب تک مسلمان سچے دل سے ان گناہوں سے توبہ نہ کریں گے مسلمانوں کا آفات و بلیات کے طوفانوں سے نکل کر سلامتی کے کنارے پر پہنچنا بے حد دشوار اور مشکل بات ہے۔

مَیں جب ۱۹۶۵ء میں "پاکتیا" (افغانستان) گیا تھا تو مَیں نے بمقام "علی شیر" وہاں کے پہاڑوں میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تقویٰ اور حریت افروز زندگی اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس قرآن کی گونج سُنی تھی اور وہاں کے علماء کرام نے پُوچھا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کس حال میں ہیں اور جب مَیں نے ان سے کہا کہ یہ دونوں بزرگان دین و دُنیا اپنے رفیق اعلیٰ سے

مل چکے ہیں تو سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایسی جھڑی رواں ہُوئی کہ اُن کی داڑھیاں تر بہ تر ہوگئیں ۔ اس مجلس میں "پاکتیا" کے "والی" یعنی گورنر، تورن جرنیل محمد حسین خان بھی موجود تھے ۔ یہ اجتماع اُنہوں نے ہی میرے اعزاز میں کیا تھا ۔

## مولانا احمد علیؒ اور احرار

بزرگانِ احرار سے حضرت مولانا احمد علیؒ کے تعلقات نہایت گہرے اور بے حد مخلصانہ تھے اور دوستانہ تھے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر احرارِ اسلام تو جب کبھی باہر کے دَوروں سے لاہور آتے تھے تو "انجمن خدام الدین" میں حضرت شیخ کے پاس ہی قیام کرتے تھے ۔ انتہا یہ کہ جب ۱۹۴۷ء میں لدھیانہ سے لاہور آئے تو اُنہوں نے "انجمن خدام الدین" میں حضرت شیخ کے پاس ہی پناہ لی تھی ۔ اسی طرح حضرت امیر شریعت سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ شیخ حسام الدین امرتسری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی جب لاہور آتے تھے تو حضرت مولانا احمد علیؒ سے ملاقات کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے ۔

مَیں عرض کر چُکا ہوں کہ اگرچہ "اشرار" کی نظروں میں میری حیثیت "احرارِ ہند" میں بہت بلند تھی مگر مَیں نے خود کو ہمیشہ ہی بزرگانِ احرار میں "بدھومیاں" اور مُشتِ خاک سے زیادہ کبھی نہیں سمجھا ۔ اس لیے "بزرگانِ احرار" کی ایسی محفلوں اور مجلسوں میں جن میں مولانا احمد علی لاہوریؒ موجود ہوتے تھے اور آپس میں سیاسی یا دُوسرے مسائل پر گفتگو کرتے تھے ۔ مجھے ان گفتگوؤں میں مداخلت کی کبھی جسارت اور جرأت نہیں ہوئی البتہ ایسے موقعوں پر "بزرگانِ احرار" اور مولانا احمد علی اور مولانا عبیداللہ سندھی کی خدمت بابرکت میں "چائے کے جام" پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے ۔ بزرگانِ احرار اور حضرت مولانا احمد علی کے درمیان ایسی مجلسیں اکثر ڈاکٹر عبدالقوی صاحب لقمان کے گھر یا دکان پر ہُوا کرتی تھیں ۔ آسٹریلیا والی مسجد کے قریب ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کی دوکان تھی ۔ خدا جانے آج کل ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں اور کہاں نہیں مگر نہایت زندہ دل، مہمان نواز اور مجلسِ احرار کے شعبۂ خدمت خلق کے صدر بھی تھے ۔ اگر بقیدِ حیات ہُوں تو مولانا احمد علیؒ اور بزرگانِ احرار کے درمیان ہمیشہ مذہبی اور ملکی مسائل پر تبادلۂ خیالات اور مشورے ہُوا کرتے تھے ۔ لیکن حضرت شیخ مولانا احمد علی کا عشق درسِ قرآن اور انجمن خدام الدین سے ہی تھا ۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب سر سکندر حیات خاں کی سرکار نے خاکساروں کو گولیوں سے بھُون ڈالا تھا تو جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے اس زمانے میں حضرت مولانا احمد علیؒ لاہور سنٹرل جیل میں پہنچا دیئے گئے تھے اور پھر مولانا عبیداللہ سندھی کی کوشش سے باہر آ گئے تھے ۔ یہ گرفتاری کس دفعہ کے تحت عمل میں آئی

تھی یہ مجھے معلوم نہیں لیکن جب حضرت شیخ گرفتار ہوئے تھے تو اس وقت چودھری افضل حق اور راقم (خان غازی کابلی) مرکزی دفتر مجلس احرار اسلام ہند واقع شاہ محمد غوث لاہور میں بیٹھے تھے اور اکبری منڈی کے سوداگر غلہ جناب شیخ محمد حسین صاحب جو مولانا احمد علیؒ کے خاص دوستوں اور معتقدوں میں سے تھے یہ خبر لائے تھے کہ مولانا مرحوم کو سکندری مظالم کے خلاف احتجاج اور خاکساروں سے ہمدردی کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے اس سلسلہ میں لاہور سے ہی صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر محترم شیخ محمد حسین صاحب کا پتہ لگ سکے تو اُن سے نہایت ہی مفید معلومات اور حالات کا ذخیرہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

## مولانا عبیداللہ سندھی اور مجلس احرار اسلام

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی جب طویل جلاوطنی کے بعد ۱۹۳۹ء میں مراجعت فرمائے وطن ہونے کی خبر ہندوستان پہنچی تو بزرگانِ احرار باہر کے دوروں پر تھے۔ دفتر میں صرف راقم (خان غازی کابلی) موجود تھے اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر" احرار اسلام ہند" نے دہلی سے مجھے ایک خط لکھا چونکہ اس خط سے احرار اور مولانا عبیداللہ سندھی کے مخلصانہ تعلقات پر روشنی پڑتی ہے اس لیے درج کیا جاتا ہے خط ملاحظہ ہو:

" دہلی ۲/۳/۳۹ کنگ ناگرہ شوکمپنی دہلی

محترم بھائی خان کابلی صاحب سلام مسنون!

مولانا عبیداللہ سندھی وطن واپس تشریف لا رہے ہیں آپ "خدام الدین" میں جا کر حضرت مولانا احمد علی سے مفصل معلومات حاصل کر کے میری طرف سے اخبارات میں اعلان کر دیں کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کراچی سے اگر بذریعہ ریل لاہور ہوتے ہوئے دہلی پہنچیں تو ہر اسٹیشن پر مجالس احرار ان کا باقاعدہ طور پر شاندار استقبال کریں بالخصوص ملتان، خانیوال، میاں چنوں، منٹگمری، لاہور، امرتسر اور جالندھر و لدھیانہ حضرت مولانا ۹/۳/۳۹ کو "المدینہ" جہاز سے کراچی پہنچیں گے اور اسی روز شام کو کراچی میل سے روانہ ہوں گے۔ ۶/۳/۳۹ کی شام کو لاہور اسٹیشن پر پہنچیں گے اور اسی وقت فرنٹیئر میل سے دہلی روانہ ہو جائیں گے۔ میں نے مولانا محمد صادق صاحب کو کراچی لکھ دیا ہے کہ وہ بذریعہ تار مولانا کی روانگی کے متعلق آپ کو اور چوہدری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر کو لاہور مطلع کر دیں۔ یہ اعلان تمام انگریزی اور اردو اخبارات میں شائع کرا دیں۔ تار پہنچنے پر پھر دوبارہ اعلان کرائیں۔ کیونکہ شاید مولانا بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچیں۔

والسلام

آپ کا بھائی حبیب الرحمٰن "

بزرگانِ احرار اور مولانا عبیداللہ سندھی کے تعلقات خصوصی طور پر صدرِ احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا مذکورہ خط روشن اور بیّن دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس زمانے میں چودھری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر اور راقم (خان غازی کابلی) دفتر مجلس احرار اسلام ہند واقع شاہ محمد غوث بیرون دہلی دروازہ لاہور مستقل طور پر موجود رہا کرتے تھے اور مخالفین کے خیال میں یہ تینوں احرار کے دماغ اور پالیسیاں بنانے والے تصور کئے جاتے تھے اور مولانا حبیب الرحمٰن اور حضرت امیر شریعت سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری کو مجلس احرار اسلام کے "لاؤڈ اسپیکروں" کے ناموں کے ساتھ یاد کیا جاتا تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا احمد علی کا بزرگان احرار کتنا لحاظ اور کس قدر احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

### ایک ناخوشگوار واقعہ اور میری معذرت

طویل جلاوطنی اور بڑھاپے نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے مزاج میں تیزی اور شدت پیدا کردی تھی۔ اس لیے اکثر وہ کرخت لہجے میں بے باکی کے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے۔ کبھی کھلے سر رہتے تھے اور کبھی سر پر کھدر کا ٹوپ رکھ کر اور بوٹوں سمیت نماز پڑھنے کی باتیں کرنے لگتے تھے۔ ان کے ان انتہاپسندانہ خیالات اور بے باکانہ و کرخت گفتگو کے پیش نظر ایک دن میں نے مزاحاً چودھری افضل حق صاحب کے سامنے کہا کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مسلمانوں کے "باباکھڑک سنگھ" ہیں۔ اس پر چودھری صاحب تو مسکرادیئے تھے لیکن جب حضرت مولانا مظہر علی اظہر، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، حضرت امیر شریعت، مولانا سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین امرتسری کو معلوم ہوا تو بے حد بُرا منایا اور مجھے بلاکر کہا کہ:

> "خان بھائی! احرار کے دل میں آپ کی بے حد عزت ہے لیکن آپ نے مولانا سندھی کو جو یہ "بابا کھڑک سنگھ" کا خطاب دیا ہے اس سے ہمیں سخت تکلیف ہوئی ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی ہمارے ان بزرگوں کی یادگار ہیں جنہوں نے حضرت شیخ الہند سید محمود الحسن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اُن کے احکامات کی تعمیل میں زندگی کی بہترین بہاریں لٹائی ہیں۔ ہم مولانا کی غلطیاں بھی پکڑنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اور "خطائے بزرگان گرفتن خطا" یقین کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم چاہتے ہیں آپ کو عبرت ناک سزا دیں۔ کہو کیا سزا دیں؟"

بزرگان احرار اور زعمائے احرار کی یہ باتیں سن کر میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ میں اس سلسلہ میں بحث کرنا پسند نہیں کرتا "قصوروار ہوں بے شک قصور میں نے کیا" اور تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں، اس کے باوجود آپ جو سزا تجویز کریں اُسے بھگتنے کو تیار ہوں۔ اس پر حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری نے مجھے گلے لگایا اور کہا کہ:-

"آپ خود کو معمولی نہ سمجھیں۔ آپ پر ہم ناز کرتے ہیں اور باہر کی دنیا آپ کی ہر بات کو فرمودہ احرار یقین کرتی ہے۔ اس لیے آپ کی ہر بات جچی تلی اور متانت پر مبنی ہونی چاہئے اور آئندہ اس کا ہمیشہ خیال رکھیں۔"

اور اس طرح معاملہ "رفت و گزشت" ہو گیا۔ آہ! کیسے کیسے بزرگ تھے جو اب دنیا سے اٹھ گئے ہیں۔

؎ وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں ؟
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

## حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا سندھیؒ

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سیاسی میدان میں حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن کے سپاہی تھے اور انہوں نے جو خدمات اس سلسلہ میں انجام دی ہیں وہ شیخ الہند کے حکم اور ارشاد کے تحت ہی انجام دی ہیں۔ صوبہ سرحد، آزاد قبائل اور افغانستان جانے کا حکم بھی انہیں شیخ الہند نے ہی دیا تھا۔ افغانستان انہیں مہاراجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی سے پہلے پہنچنا چاہیئے تھا لیکن اُن کی کراچی کی مصروفیتوں نے اُلجھائے رکھا اور کچھ قدرت کو بھی منظور نہ تھا کہ وہ راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی سے پہلے افغانستان پہنچنے کی سعادت حاصل کریں۔ اس لیے کافی دیر کے بعد افغانستان پہنچے۔ بہرحال میں نے اپنے مکتوب مطبوعہ "الحق" ۵ دسمبر ۱۹۷۷ء تا ۵ جنوری ۱۹۷۸ء میں جو کچھ عرض کیا تھا اس کی تصدیق کے لیے مولانا عبیداللہ سندھی کا ایک مکتوب گرامی پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"احوال انجمن دیگر موسوم بنام حکومت موقتہ ہند"

"ایک ہندوستانی رئیس "مہندر پرتاپ" کا ساکن بندر ابن جسے آریوں کی جماعت سے خاص تعلق ہے اور ہندوستانی راجگان سے درواسطہ ملتا ہے گذشتہ سال جرمنی پہنچا قیصر سے ہندوستان کے مسئلہ میں ایک تصفیہ کر کے اس کا ایک خط بنام درو ساٹے ہندو امیر کابل لایا۔ حضرت خلیفۃ المسلمین" نے بھی قیصر کی طرح اسے اپنا وکیل ہند بنایا۔ اس کے ساتھ مولوی برکت اللہ بھوپالی جو جاپان و امریکہ میں رہ چکے ہیں برلن سے ہمراہ ہوئے۔ قیصر کے ایک قائمقام اور سلطان المعظم کے ایک افسر اس کے ساتھ کابل آئے۔ یہ لوگ میرے کابل پہنچنے سے دس روز قبل کابل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کے فوائد کی تائید میں ہندوستانی مسئلہ امیر صاحب کے سامنے پیش کیا اور کابل میں دونوں ایک انجمن کی بنام مذکورہ بالا بنیاد ڈالی۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستانی معاملات مستقبل میں دول عظمٰی سے معاہدات کرے۔ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ انہوں نے مجھ سے اس انجمن میں شامل

ہونے کی درخواست کی۔ مَیں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کیا۔

۱۔ (۱) چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن نے قبول کر لیا کہ اگر افغانستان جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں اور اس قسم کی درخواست امیر صاحب کے سامنے پیش کر دی۔ لیکن چونکہ امیر صاحب ابھی شرکتِ جنگ کے لیے تیار نہیں اس لیے معاملہ ملتوی کر رکھا ہے۔

۲۔ (۲) اس حکومت کی طرف سے روس میں سفارت کی گئی جس میں ایک ہندو اور ایک مہاجر طالب علم تھا جو افغانستان کے لیے مفید اثرات لے کر واپس آئے۔ اب روس کا سفیر کابل آنے والا ہے۔ روس کی انگریزوں سے برہمی میں جس کے فیصلہ کے لیے "گیز" جاتا ہوا عنقریب ہوا۔ ممکن ہے کہ سفارت مذکورہ کا اثر بھی ہو۔

۳۔ ایک سفارت براہِ ایران قسطنطنیہ اور برلن گئی ہے۔ اس میں دونوں ہمارے مہاجر طالب علم ہیں۔ امید ہے کہ حضور میں حاضر ہو کر موردِ عنایت ہوں گے۔

۴۔ اب ایک سفارت جاپان اور چین کو جانے والی ہے۔

۵۔ ہندوستان میں پہلے سفارت بھیجی گئی مگر وہ زیادہ کامیاب نہ ہوئی۔

۶۔ اب دوسری سفارت جا رہی ہے۔

۷۔ تھوڑے دنوں میں ایک دوسری سفارت برلن جانے والی ہے۔

جرمن سفارت خانہ سے میرے ذاتی تعلقات بہت اعلےٰ درجہ پر ہیں جس میں اسلامی فوائد پر پوری مدد ملے گی۔ اس حکومت موقتہ میں راجہ مہندر پرتاپ صدر ہیں۔ مولوی برکت اللہ بھوپالی وزیرِ اعظم اور احقر (مولوی عبید اللہ سندھی ناقل) وزیر ہند ہیں۔

عبید اللہ

مندرجہ بالا مکتوب اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا وہ مکتوب جو انہوں نے ۱۹۳۹ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کے استقبال کے بارے میں لکھا ہے مجھے پُرانے کاغذات کے "کباڑستان" میں نظر افروز ہوئے ہیں۔ مولانا سندھی کے مکتوب کی نقل مَیں نے مولانا فضل ربی آف بفہ سے حاصل کی تھی اور "ریشمی خطوط سازش کیس" کے "محفوظ ریکارڈ" میں بھی موجود ہے۔ اس محفوظ ریکارڈ کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ مولانا محمد میاں مرحوم نے "تحریک شیخ الہند (مولانا سید محمود الحسن)" "ریشمی خطوط سازش کیس" محفوظ ریکارڈ انگریزی سے ترجمہ کے عنوانات کے ساتھ شائع کیا ہے۔ سندھی کا مکتوب بالا اس کے ص ۲۷۶ تا ۲۷۷

درج ہے ۔

اس مکتوب کے بارے میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن کے اس مجاہد سپاہی کا نہیں ہو سکتا ہے جس کا نام مولانا عبید اللہ سندھی ہے کیونکہ اس کا انداز ایک مجاہد کا نہیں ہے اور اس کا یہ ٹکڑا کہ :

" چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن (مؤقتہ حکومت) کے ارکان نے قبول کر لیا کہ اگر افغانستان جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں "

برطانوی سیاست کے کسی مذموم مقاصد کی ترجمانی کرتا ہے ۔ بہرحال میں نے درج اس لیے کر دیا ہے کہ حضرت مولانا محمد میاں نے اُسے مذکورہ بالا کتاب میں درج کرنا مناسب سمجھا ہے ۔ اب مہاراجہ مہندر پرتاپ کے افغانستان آنے کی داستان ملاحظہ ہو ۔

## برلن (جرمنی) سے مہاراجہ مہندر پرتاپ کی روانگی

میری یادداشت اور معلومات کے مطابق مہاراجہ مہندر پرتاپ کی زیر قیادت ہندوستانی ، ترکی ، جرمنی وفد برلن سے ۱۵ راپریل ۱۹۱۵ء کو افغانستان کے لیے روانہ ہوا تھا جس میں جرمن نمائندہ ڈاکٹر فان ہنٹگ کپتان نڈر مائیر اور ترکی کے کاظم بے وغیرہ شامل تھے اور اس میں ہندوستانی نمائندے کے طور پر مولانا برکت اللہ بھوپالی بھی تھے ۔ یہ وفد جب ایران کی سرحد پر پہنچا تو ترکی فوجوں کا کمانڈر رؤف بے اور مولانا عبد الرب اور جناب عبد الرحمٰن پشاوری سے بھی ملا ۔ براہِ ہرات افغانستان میں داخل ہوا ۔ ۳ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچا ۔ کابل میں اس کی شاندار پذیرائی ہوئی اور اسے " بابر باغ " کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا ۔ امیر حبیب اللہ سے ملاقات کے وقت سردار نصر اللہ خان ، ولی عہد شہزادہ عنایت اللہ خاں ، معین الملک شہزادہ امان اللہ خاں ، یعنی غازی امان اللہ خاں اور موجودہ افغان صدر محمد داؤد خاں کے والد سردار محمد عزیز موجود تھے ۔ ملاقات کے کمرے میں داخل ہوتے وقت راجہ مہندر پرتاپ سب سے آگے تھے ۔ ان کے پیچھے مولانا برکت علی بھوپالی ان کے بعد جرمن اور ترکی نمائندے تھے ۔ جرمنی اور ترکی نمائندوں نے امیر حبیب اللہ کو یقین دلایا کہ اگر افغانستان میں ہندوستان کی متوازی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو ہم اُسے تسلیم بھی کر لیں گے اور اسے ہر طرح سے مالی اور دوسری امدادوں سے بھی طاقت ور بنائیں گے ۔ اس کے بعد ارکانِ وفد کی کئی مجلسیں سردار نصر اللہ خاں وزیر اعظم اور آقائے حاجی عبد الرزاق خان کے دولت کدوں پر ہوئی جن میں مہاراجہ مہندر پرتاپ نے رئیس وفد کی حیثیت سے بار بار پرزور الفاظ میں اس وعدہ کو دہرایا کہ :

" ہندوستان کے آزاد ہونے پر ہم آپ کی خواہش کے مطابق بلوچستان اور فارسی بولنے

والا وسطِ ایشیا کا علاقہ آپ کے حوالے کر دیں گے ۔"

مہاراجہ مہندر پرتاپ کے اس دعوے سے مولانا عبید اللہ سندھی کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے کہ حکومت موقتہ نے افغانستان کے کسی شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ تسلیم کرنے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ افغان حکومت بلوچستان کی اس لیے خواہش مند تھی کہ اُسے بلوچستان ملنے کی صورت میں مکران اور پاسنی کی بندرگاہیں ملتی ہیں ۔

## ہندوستان کے متوازی حکومت کا قیام

ارکانِ وفد اور انقلابی کونسل کا آخری اجلاس آقائے حاجی عبدالرزاق خان کے مکان پر ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو ہوا جس میں ہندوستان کی متوازی حکومت کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کو اس کا اعلان کر دیا گیا ۔ جس کے صدر مہاراجہ مہندر پرتاپ ، وزیر اعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی اور وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ سندھی مقرر کئے گئے اور وزارت دفاع (جنگ) کا منصب ترکی کے کاظم بے کو سونپا گیا ۔

یہ تنظیم جس کے بانی اور حقیقی سالارِ اعظم حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن تھے افغانستان اور سرحدات میں اُس کے انچارج مولانا عبید اللہ سندھی تھے ، ریشمی خطوط کا پروگرام حضرت شیخ الہند نے مولانا غازی حامد الانصاری کے والد مولانا منصور غازی انصاری کے ذریعے پشاور مفتی سرحد حضرت مفتی مولانا عبدالرحیم پوپلزئی کے پاس بھیجا تھا اور حضرت پوپلزئی اور ان کے دوستوں کی مدد کے ذریعہ سے منصور غازی انصاری کابل پہنچانے میں کامیاب ہوئے تھے ۔ یہ پروگرام زعفرانی رنگ کے ریشمی کپڑوں کے رومالوں پر تھا اور اس میں حکومت متوازی اور جنود اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ ۱۹ر فروری ۱۹۱۷ء کو اس پروگرام پر عمل کریں ۔

۱ ۔ قلات اور مکران کے قبائل ترکی فوجوں کی قیادت میں کراچی پر حملہ آور ہوں ۔
۲ ۔ غزنی اور قندھار میں قبائل ترک فوج کی مدد سے کوئٹہ پر یلغار بول دیں ۔
۳ ۔ پشاور کے محاذ پر درۂ خیبر کے مہمند اور آفریدی شینواری قبائل حملہ آور ہوں ۔
۴ ۔ اوگی کے محاذ پر کوہستانی قبائل کی امداد سے حملہ کیا جائے ۔
۵ ۔ اسی تاریخ کو ہندوستان میں آزادی کا پرچم لہرایا جائے ۔

افسوس کہ حضرت شیخ الہند کا ریشمی رومالوں والا یہ پروگرام مولانا عبید اللہ سندھی کے ایک ساتھی اور رفیق مولوی عبدالحق کی سادگی سے ملتان میں افشا ہوا ۔ اور اس کے افشا ہونے کے ساتھ شریف مکہ کی قیادت میں عربوں نے ترکی کے خلاف غداری کا پرچم بلند کیا ۔ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن ، شیخ الاسلام مولانا

سید حسین احمد مدنیؒ، مولوی عزیز گل، مولوی وحید احمد اور مولوی نصرت حسین وغیرہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ امیر حبیب اللہ نے بھی اس صورتِ حال سے گھبرا کر متوازی حکومت کے اراکین کو افغانستان سے دُوسرے ملکوں کو اخراجات دے کر چلتا کیا۔

جس طرح مہاراجہ مہندر پرتاپ ابھی تک بندرامن ضلع متھرا ہندوستان میں بقید حیات موجود ہیں اسی طرح میرا خیال ہے کہ مولانا عزیز گل صاحب بھی پاکستان کے کسی مقام پر زندہ و سلامت موجود ہیں۔ اگر میرا یہ خیال درست ہو تو اُن سے قیمتی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایک بزرگ مولانا فضل الرحمٰن سواتی عمر آباد (مدراس) میں تھے اور وہ اس قافلہ حریت کے سپاہی تھے اور تحریک شیخ الہند کے ماہر اور معلومات کے سمندر تھے لیکن افسوس کہ چند سال قبل وہ فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے جو حالات میں نے "برہان" میں شائع کرائے تھے اس کے کٹنگ "الحق" کے لیے ارسال خدمت ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے طویل جلا وطنی سے مراجعت فرمائے وطن ہونے پر دہلی میں "جامعہ ملیہ اسلامیہ" کو اپنا مرکز بنا لیا تھا اور ان کے قدر دان مخلص جناب محمد سرور ہُوا کرتے تھے۔ یہ صاحب شہباز پشاور کے اسٹاف میں کام کرتے تھے۔ آج کل معلوم نہیں کہ کہاں ہیں۔ ان سے بھی مولانا سندھی کے بارے معلومات کی جا سکتی ہیں۔ "جامعہ ملیہ اسلامیہ" دہلی کو مولانا سندھی نے اس لیے اپنا مرکز بنایا تھا کہ اس کی بنیاد علی گڑھ میں حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن نے رکھی تھی اور یہ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے "علیگ" حریت پرست ساتھیوں کی کوشش سے وجود میں آیا تھا۔ دہلی میں مولانا سندھی نے خود ہی ولی الٰہی تعلیمات و فلسفہ پر کام کرنے کے لیے وقف کر لیا اور ایک اکاڈیمی بھی قائم کی تھی۔

**مہاراجہ مہندر پرتاپ**

مہاراجہ مہندر پرتاپ ۱۹۴۶ء میں تقسیم وطن سے ایک سال پہلے طویل جلا وطنی کے بعد ہندوستان آئے تو یہ عجیب بات اُن کی شخصیت میں تھی کہ چہرے مہرے اور لباس و کردار اور گفتار سے ایک مُسلمان عالم کی شان میں نظر آتے تھے۔ ان کے چہرے پر نہایت خوب صورت داڑھی تھی۔ سر پہ بالوں والی ٹوپی تھی۔ داڑھی اور مُونچھیں اب بھی ہیں لیکن اب سر سے اکثر ننگے ہی نظر آتے ہیں۔

مُسلمانوں سے اب بھی اُن کے گہرے تعلقات ہیں اور ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانے میں لُطف محسوس کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ افغانستان میں بھی جب امیر حبیب اللہ نے اپنے وفد کی قیادت کرتے ہُوئے ملاقات کی تھی اور اُن کے لیے امیر صاحب نے علیحدہ ہندو کھانے کا انتظام کیا تھا تو انہوں نے اس ہندو کھانے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ میں وہی کھانا کھاؤں گا جو میرے

حریت پرست مُسلمان اور ساتھیوں کے لیے تیار کیا گیا ہے "۔

جرنل محمد عمر مرحوم سابق افغان سفیر دہلی جدید فرمایا کرتے تھے کہ "مَیں نے راجہ مہندر پرتاپ جیسا مخلص، بہادر، بے غرض دوست پرور اور آزادی کا پرستار شخص کسی قوم میں نہیں دیکھا ہے "۔

آزادی (تقسیم وطن) کے بعد راجہ صاحب نے تمام قوموں کے اتحاد کے لیے کام شروع کیا تھا۔ ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے ہیں۔ زندگی میں اکثر دوروں میں رہتے ہیں۔ ان کا قیام کبھی راج پورہ (ڈیرہ دون) اور کبھی بندرا بن ضلع متھرا میں ہوتا ہے۔

آزادی کی جدوجہد کے بارے میں بہت سی یادیں میری یادوں کے جھروکوں" میں پھڑ پھڑا رہی ہیں لیکن آشوب چشم کی وجہ سے انہیں صفحۂ قرطاس پر پیش کرنے سے معذور ہوں۔ برادران سرحدو پاکستان کو شاید معلوم نہیں کہ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء تک میری دونوں آنکھیں بند رہی تھیں اور ۱۹۷۱ء میں صرف ایک آنکھ میں اتنی روشنی واپس آگئی ہے کہ چشمہ لگا کر اخبار پڑھ لیتا ہوں۔ ایک آنکھ نور سے بالکل محروم ہو چکی ہے تاہم میری کوشش جاری ہے کہ" الجمعیتہ" کی پرانی فائلوں سے مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہترین معلومات حاصل کر کے آپ کو بھیجوں۔ برادران پاکستان کو سلام شوق و ملاقات!

آپ کا مخلص ۔ خان غازی کابلی

---

# علمی خبریں

● حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی سوانح تحقیقات اور نوادرات علمی پر ایک مبسوط سوانح نقشِ دوام کے نام سے صاحبِ سوانح کے فرزند مولانا انظر شاہ کشمیری کے قلم سے منظر عام پر آگئی ہے۔ کتاب ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اسکی رسم اجراء ۲۰ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ کو دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے ہاتھوں انجام پائی اس موقعہ پر صدر مجلس نے حضرت کشمیریؒ کے علوم و کمالات کو حکیمانہ لب و لہجہ میں آشکارا کیا۔

● ۲۳ ربیع الاول کو دیوبند کے ایک مشہور فرزند مولانا لائق علی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نورالاسلام میرٹھ نے ۸۵ سال کی عمر میں انتقال کیا، مولانا عمر بھر حدیث کی تدریس اور اشاعت میں مصروف رہے۔

● ۳ مارچ کو حضرت مولانا فخرالدین احمدؒ شیخ الحدیث دیوبند کے لائق فرزند مولانا اخترالاسلام مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد دل کا دورہ پڑجانے سے انتقال فرماگئے۔

● جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک ثقافتی وفد جو اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی جماعت پر مشتمل تھا نے اپنے دورۂ بھارت کے دوران مرکز علمی دارالعلوم دیوبند کا دورہ کیا۔

---
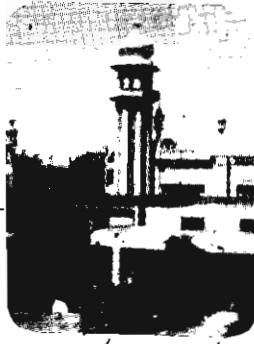
۲۶ مارچ ۔ تبلیغی جماعت کا ایک وفد دار العلوم آکر دو تین روز تک مسجد دار العلوم میں مقیم رہا وفد میں سعودی عرب، یمن اور امریکہ وغیرہ کے افراد شریک تھے، اس دوران انہیں اساتذہ دار العلوم سے ملاقات کی غرض سے اساتذہ دار العلوم سمیت دار الحدیث میں ایک ظہرانہ بھی دیا گیا، علماء و اساتذہ سے باہمی تعارف پر وفد نہایت مسرور ہوا۔

۲۷ مارچ ۔ حکومت سرحد کے چیف سیکرٹری جناب اجلال حیدر زیدی صاحب حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی زیارت اور عیادت کیلئے دار العلوم تشریف لائے اور دفتر اہتمام میں دیر تک ان کے ساتھ رہے ۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے آپ کو دار العلوم کا سرسری معائنہ کرایا، صوبہ سرحد کے مشیر اطلاعات جناب شیر محمد خان صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے ۔ چیف سیکرٹری صاحب نے مہمانوں کی کتاب میں لکھا کہ : "آج بہت عرصہ کے بعد مولانا عبد الحق صاحب سے ملاقات ہوئی، دار العلوم حسب سابق ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور یہ مولانا عبد الحق صاحب کی قیادت کا کمال ہے ۔"، مشیر اطلاعات صاحب نے لکھا کہ "دار العلوم دین کا ایک مینار ہے جس کی روشنی دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ رہی ہے ۔"

۲ اپریل ۔ مجلس شوریٰ دار العلوم حقانیہ کی ذیلی کمیٹی برائے مشاہرات کی میٹنگ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صدارت میں ہوئی جس میں مولانا قاری محمد امین قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی مولانا ولایت شاہ کاکاخیل حکمت آباد مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا سلطان محمود صاحب ناظم نے شرکت کی کمیٹی نے اساتذہ دار العلوم و تعلیم القرآن و دیگر عملہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔

۳ اپریل ۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ آنکھوں اور امراض قلب کے معائنہ کے لئے راولپنڈی تشریف لے گئے جہاں بریگیڈیر پیرزادہ صاحب آئی سپیشلسٹ اور جناب کرنل ذوالفقار صاحب ماہر امراض قلب نے تفصیلی معائنہ کیا۔

۵ اپریل ۔ دار العلوم میں مولانا پیر مبارک شاہ صاحب مردان، مولانا فضل احمد صاحب دار العلوم اسلامیہ تکی مردت مولانا محمد یعقوب صاحب سابق ایم ۔ پی ۔ اے (جمعیۃ العلماء اسلام) کی وفات پر اظہار تعزیت اور ختم کلام پاک کے بعد ایصال ثواب کیا۔

۱۵ اپریل ۔ دار العلوم کے ششماہی تحریری و تقریری امتحانات شروع ہوئے جو ایک ہفتہ تک جاری رہیں گے ۔

ایڈیٹر کے قلم سے

**تذکرۂ مجدد الف ثانی** ترتیب مولانا محمد منظور نعمانی الفرقان لکھنؤ، ناشر مکتبۂ سراجیہ موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔ صفحات ۳۶۶، قیمت: ۲۲ روپیے۔

مغلیہ دور کا عہد اکبری اسلام اور حاملین اسلام کے لئے سخت آزمائش کا دور تھا، حکومتی سطح پر اسلام کو برصغیر سے جلاوطن کرنے کیلئے کونسی سازش اور جدوجہد تھی جو نہیں ہو رہی تھی؟ ایسے وقت میں حق تعالیٰ نے سرمایۂ ملت کی نگہبانی اور تجدید دین کا کام شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے سپرد کر دیا، شیخؒ نے کیسے حالات میں اور کس انداز سے تجدید و حفاظت دین کا بیڑا اٹھایا؟ اور کس طرح وہ حالات کا رخ بدلنے میں کامیاب ہو گئے اس موضوع پر پیش نظر کتاب میں (جو ۱۳۵۷ھ میں شائع ہونے والے الفرقان لکھنؤ کے مجدد الف ثانی نمبر کی کتابی شکل ہے۔) نہایت وقیع مواد پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارنامے ذاتی حالات اور آپ کے مشہور خلفاء کا تذکرہ یہ سب چیزیں اسوقت بھی احیاء و غلبۂ دین کیلئے جدوجہد کرنے والے افراد اور جماعتوں کیلئے بہترین رہنما ثابت ہو سکتی ہیں اصل کتاب لکھنؤ میں شائع ہوتی رہی، اب مکتبۂ سراجیہ نے مؤلف ممدوح کی اجازت سے پہلی بار پاکستان میں شائع کیا ہے۔

**العلم والعلماء** اندلس کے مشہور محدث و امام علامہ حافظ ابن عبداللہ اندلسیؒ (ف ۴۶۳ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" علم فضیلت علم اہل علم کی عظمت اور ذمہ داریوں پر عجیب مؤثر کتاب سمجھی جاتی ہے، کچھ عرصہ قبل مولانا آزادؒ کے ایماء اور ندوۃ المصنفین دہلی کے اہتمام سے مشہور مصنف و مترجم مولانا عبدالرزاق ملیح آبادیؒ کے قلم سے اس کا سلیس ترجمہ شائع ہوا جسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا پیش نظر کتاب اُسی ترجمہ کا پاکستانی ایڈیشن ہے۔ جسے ادارۂ اسلامیات انارکلی لاہور نے نہایت عمدہ طباعت اور بہترین کاغذ و جلد کے ساتھ شائع کیا ہے، کتاب کے آغاز میں مترجم کے قلم سے اسلام کا علم سے برتاؤ و تعلق پر ایک وقیع مقدمہ بھی ہے۔ اور آخر میں امام شافعیؒ سے منسوب ان کا مشہور دلچسپ علمی سفرنامہ بھی شامل کتاب ہے۔ مدارس عربیہ اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے علمی تحریص و ترغیب کے لئے کتاب نہایت مفید ہے۔

**سیرت منصور حلاج** | تالیف مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ، ناشر : مکتبۂ دارالعلوم کراچی ۱۴
عنوانات و ترتیب جدید مولانا حسین احمد نجیب ، صفحات ۲۷۸ ۔

چوتھی صدی ہجری کے مشہور عارف باللہ اور فنا فی اللہ بزرگ حسین ابن منصور حلاج ، "انا الحق" کی ذات گرامی سے عجیب و غریب روایتیں منسوب کی گئی تھیں ، حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے ان روایات پر نگاہ تحقیق ڈالی تو حلاج کی شخصیت اور آزمائش کو سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کے مماثل پایا اور تمام تاریخی مواد کو سامنے رکھ کر اپنے عزیز اور وقت کے جلیل القدر عالم مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو ترتیب سوانح کے کام پر مامور کیا ، یہ سوانح "القول المنصور فی ابن منصور" کے نام سے مرتب ہو کر شائع ہوئی اب اسے مکتبۂ دارالعلوم کراچی نے بقدر ضرورت و مناسبت تقدیم و تاخیر کے ساتھ جدید پیراہن میں پیش کیا ہے ، عنوانات اور پیراگراف وغیرہ کے لحاظ سے اب کتاب جدید دور کے مطابق لائق استفادہ ہو گئی ہے ۔

**حج ایک نظر میں** | از الحاج ابوالخیر کریم گنج ضلع گیا ، بہار ۔ بھارت ۔ صفحات : ۱۳۲
قیمت چار روپے ۔ ——— مناسک حج و زیارت پر اپنے اپنے ذوق کے مطابق ہر دور میں کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ پیش نظر کتاب ایک دیندار مسلمان کی کاوش کا نتیجہ ہے ۔ احکام و مناسک حج و آداب زیارت مدینہ کے علاوہ ہندوستانی عازمین حج کے لئے سفری ہدایات اور تفصیلات اور حصہ چہارم میں مقامات مقدسہ کے نقشے اور خاکے بھی بڑی محنت سے تیار کئے گئے ہیں ، فی الجملہ کتاب حجاج و زائرین کے لئے کافی فائدہ مند ہے ۔

**الارشاد (مدنی نمبر)** | مرتب : مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب ۔ پتہ : ماہنامہ الارشاد کیمبل پور (اٹک)
صفحات ۹۸ ، قیمت : ۲/۲۵ روپیہ ۔ ماہنامہ الارشاد حضرت قاضی صاحب کی سرپرستی میں قرآن و حدیث کی آسان اور عام فہم اشاعت و فروغ میں نمایاں مقام رکھتا ہے ۔ پیش نظر شمارہ اسلامیان برصغیر کے مقتدر روحانی و ملی رہنما سیدنا الامام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی ذات والا صفات کے تذکار جمیل پر مشتمل ہے ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ ، مولانا عبدالقدوس پشاوری ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی وغیرہ کے مضامین شریک اشاعت ہیں ، ہر چند کہ حضرت مدنیؒ کے عظیم کارنامے اور انکی جامع و عبقری شخصیت ہم سب سے ان کے شایان شان اور وسیع تعارف و اشاعت کی متقاضی ہے ۔ کہ مستقل اکیڈمیاں بھی اس راہ میں لگ جاتیں تو حق ادا نہ ہوتا مگر کچھ نہ ہونے کے مقابلہ میں پیش نظر شمارہ بھی غنیمت ہے ۔ اور ادارۂ الارشاد خانوادۂ مدنیؒ و قاسمیؒ کیطرف سے مستحق تبریک ہے ۔

**تبرکات** | حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بعض غیر مطبوعہ معلوماتی مکاتیب کا ایک مختصر مجموعہ ۔ مرتب کتاب نے اکابر و مشائخ کے مزید مکاتیب کی اشاعت و ترتیب کے عزم کا بھی اظہار کیا ہے کتاب مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ (یوپی بھارت) اور مکتبہ رشیدیہ ۳۲ شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے مل سکتی ہے ۔

UF
اچھے لوگوں کی اچھی پسند
پاکستان میں اپنی طرز کا واحد ادارہ جس کے جدید ترین آٹومیٹک پلانٹ اور
تجربہ کار ماہرین کی زیر نگرانی تیار شدہ
یونی فوم اور شاہین فوم
کے گدے، کشن، سلیب شیٹ، تکیئے، بس سیٹ اور دیگر مصنوعات کیلئے فوم استعمال کریں، یہ عمدہ
آرام دہ، لچکدار اور پائیداری میں بیمثال ھیں۔ کثرت استعمال پر بھی نہ دب جانا ان کی انفرادی خصوصیت ہے۔
یونی فوم اور شاہین فوم پر ھمارا ٹریڈ مارک خریدتے وقت ضرور دیکھ لیں
آج ہی اپنے شہر کے ڈیلروں سے خریدیں
راولپنڈی: یوسف سنز، بابو محلہ، صدر فون
لاہور: شاہد اقبال اینڈ کمپنی، فوم پیلس
پشاور: احمد سعید برادرز، صدر روڈ، فون
گجرات: القمر فرنیچر ریلوے روڈ فون: ۳۳۲۴
ایبٹ آباد: کراچی ہزارہ ہارڈ ویئر، دی مال
سرگودھا: نیازی برادرز، فاطمہ جناح روڈ
جہلم: پلاسٹک سینٹر، نیا بازار فون
فیصل آباد: وحید ٹریڈرز، سرکلر روڈ
کراچی، حیدرآباد، سکھر میں عنقریب ڈیلر مقرر کئے جائیں گے
ملتان: پاک جاپان اینڈ کمپنی، کچہری بازار
یونائیٹڈ فوم انڈسٹریز لمیٹڈ
ہیڈ آفس
فیکٹری
۱۰ میل ملتان روڈ لاہور فون
TELEX 745 VERSE PK
CABLE PAKFOAM